ماہ مئی 2025

بسم اللہ الرحمن الرحیم



(ایڈمن اعلیٰ)
مولانا شفیق قاسمی، اعظمی

(ترجمان پاسبان)
مولانا محمد خالد قاسمی، اعظمی

جمع و ترتیب - مسعود اعجازی اورنگ آبادی

نام کتابچہ	:	پاسبانی تراشے
جمع و ترتیب	:	مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادیؔ
صفحات	:	ایک سو ستاون (157)
اشاعت	:	31 مئی 2025
ترتیب و تزئین	:	مسعود اعجازیؔ اورنگ آبادیؔ
موبائل نمبر	:	(+91) 9309827381
زیر اہتمام	:	پاسبان علم و ادب

فہرست مضامین

طرحی نعت ــــــــــــ بقلم :- مولانا سرفراز بزمی راجستھان

عشق قتیل ذوق وشوق حسن حریص اجتناب
وصل،کہ لذت سکوت،ہجر کہ گرمی خطاب

ثور و حرا کی تابشیں بدر واحد کے پیچ و تاب
اے کہ ترے وجود میں رقصاں ہزار ماہتاب

تیرے نقوش راہ کا پاس نہ ہو تو قافلہ
گرد قتیل گمرہی ، صید حبالۂ سراب

مشعل راہ عشق ہے تیرے قدم قدم کی ضو
کاسہ بکف ترے حضور سارا نظام آفتاب

گاہ تجلی حرا ، گاہ بلندی صفا
گاہ سفیر لامکاں روح الامیں کے ہمرکاب

تیری نگاہ تا کجا، میری نگاہ تا کجا
تیرا غیاب بھی حضور میرا حضور بھی غیاب

فقر کو بھی عطا کرے تیری نظر سکندری
قمری پر شکستہ کو جراءت و ہمت عقاب

تیری نظر کے فیض سے سنگ بھی موم ہوگئے
سیف وسناں بدست بھی تیری نگاہ سے گلاب

دنیا اسیر ذات تھی محو توہمات تھی
تیری تجلیات سے بزم طلوع آفتاب

پیکر دلربا بھی تو نازش میکدہ بھی تو
"لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب"

تیرے نیاز مند کو ہیچ ہزار تخت و تاج
رشک ہزار مرجبی ایک ادائے بوتراب

کتنے بلال و فارسی تجھ سے عروج پا گئے
کتنے چراغ بن گئے تیرے کرم سے آفتاب

تجھ سے عروج آشنا باغ بہشت کے طیور
برگ درخت خلد سے میری سرشت بے نقاب

منت کش دوا مکن شاہا مریض عشق را
تاب فغاں نہ تاب ضبط بزمی ز ہجر واضطراب

سرفراز بزمی
راجستھان انڈیا
تیرا وجود الکتاب
عنوان پر دہلی میں ہوئے
طرحی مشاعرے میں پیش کی گئی نعت

نگاہِ اولین ــــــــــــ بقلم :- مسعود اعجازی اورنگ آبادی مہاراشٹری

الحمد للہ..! ماہنامہ پاسبانی تراشے کا یہ تازہ شمارہ قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ ہم نے ہمیشہ اس رسالے کو خوب سے خوب تر بنانے اور پیش کرنے کی کوشش کی ہے، یہ رسالہ اپنے اندر بے شمار موضوعات پر مشتمل مضامین، علمی اور معلوماتی خزانے کو سموئے ہوئے ہیں۔

اس شمارے کا آغاز بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عقیدت کے نذرانے یعنی ایک خوب صورت نعت سے ہوتا ہے۔اسکے بعد ذی الحجہ اور قربانی کے موقع پر مضامین شامل کیے گئے ہیں،اسکے بعد حالاتِ حاضرہ پر سنجیدہ تجزیاتی نگاہ ڈالنے والے مضامین شامل ہیں، اسکے بعد تعزیتی مضامین شامل ہیں،اسی طرح کتابوں پر تبصرے جو مطالعہ کے ذوق کو جِلا بخشنے والے ہیں، اور منتخب سفرنامے شامل ہیں جو قارئین کو نہ صرف دلکش مناظر سے آشنا کرتے ہیں بلکہ سفر کے تجربات سے کچھ سیکھنے کا موقع بھی فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح اصلاحی مضامین شامل ہیں جو دلوں کو جھنجھوڑتے ہیں اور عمل کی ترغیب دیتے ہیں اور زندگی کے رخ کو دین کی طرف موڑنے کا جذبہ پیدا کرتے ہیں اسی طرح مختلف موضوعات پر تحریریں اور منظوم کلام شامل ہیں۔

اور آخر میں، ہمیشہ کی طرح **پاسبانی موتی** کے عنوان سے منتخب اقوال اور نصیحت آموز نکات پیش کیے گئے ہیں جو دل و دماغ کو تازگی عطا کرتے ہیں۔

ہم دُعا گو ہیں کہ پاسبانی تراشے کا یہ شمارہ بھی قارئین کے لیے علم و عمل کا خزینہ ثابت ہو، مزید کے لیے ہم آپ کے مفید مشوروں اور مخلصان دعاؤں کے طالب ہیں۔

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل

بقلم :- مولانا محمد صابر القاسمی

بعض مہینے، بعض ایام اور بعض گھڑیاں مخصوص فضائل وبرکات کے حامل ہوتے ہیں، ویسے تو پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے ہے لیکن ان فضیلت و اہمیت کے دنوں اور وقتوں میں اطاعت و عبادت کا اہتمام اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔

ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ممتاز حیثیت رکھتاہے اور نیکیاں کمانے کا سیزن ہے، نبی کریم ﷺ نے ان دس دنوں کی فضیلت و اہمیت کو بیان فرمایا ہے، ارشاد نبوی ہے:

,, اگر کوئی شخص عشرۂ ذی الحجہ میں سے ایک دن روزہ رکھے تو ایک روزہ ایک سال روزوں کے ثواب کے مساوی ہے اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے،، (ترمذی/758) **کچھ اعمال ان دنوں کے** ساتھ خاص ہیں، انہیں ان مخصوص ایام کے علاوہ انجام نہیں دیا جاسکتا،ذی الحجہ کے چاند کے ساتھ ہی سب سے پہلا مستحب عمل جو متوجہ ہوتا ہے وہ یہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

,, تم میں سے کسی کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو وہ ذی الحجہ کا چاند نظر آتے ہی بال اور ناخن نہ کاٹے جب تک کہ قربانی نہ کر لے،، (ابن ماجہ/3187)

قربانی کا ارادہ رکھنے والوں کو احتیاطاً انتیسویں ذی قعدہ کو بال ناخن وغیرہ درست کرلینا چاہئے۔ واضح رہے کہ اس سال 29/ ذی قعدہ 28/مئی بدھ کو پڑ رہی ہے۔

یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کا روزہ نفل ہےاور بڑی فضیلت رکھتا ہے، یہ روزہ ایک سال اگلے اور پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے ، اس روزہ کے سلسلے میں رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

,,عرفہ کے دن جو شخص روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اسکے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا،، (ابن ماجہ/1734)

یہ اور اس طرح کی تمام احادیث میں گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتےاور توبہ تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔**(۱)** گناہ کو فوری طور پر ترک کرنا۔**(۲)** آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم اور **(۳)** اس پر ندامت و شرمندگی۔

حقوق العباد حقوق کی ادائیگی سے یا صاحب حق کے معاف کرنے سے معاف ہوتے ہیں، فضیلت والے اعمال بجا لانے کے بعد کبیرہ گناہوں اور حقوق العباد کی طرف سے مطمئن بالکل نہیں ہونا چاہیئے، توبہ واستغفار اور حقوق کی ادائیگی کی فکر ہونی چاہیئے۔

نو ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ ایام تشریق ہیں،نو ذی الحجہ کی فجرسے تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد مردوں پر بلند آواز سے اور عورتوں پر آہستہ آواز میں ایک مرتبہ تکبیر تشریق کہنا واجب ہے، تکبیر کے کلمات یہ ہیں۔

اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الااللہ، واللہ اکبر اللہ اکبر، و للہ الحمد

مرد عام طور پر جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں اور کسی نہ کسی کو تکبیر کہنا یاد رہتا ہے، کسی ایک کے کہنے پر سب کو یاد آجاتا ہے اور سب کہہ لیتے ہیں، خواتین تنہا نماز پڑھتی ہیں اور انہیں اس کا پڑھنا اکثر یاد نہیں رہتا، خواتین کو بھی اسکا اہتمام کرنا ہے، انہیں چاہیئے کہ وہ ایک تختی بنالیں، اس پر تکبیر تشریق لکھ لیں یا لکھوا لیں اور اسے دائیں یا بائیں کنارے رکھ کر نماز پڑھیں، مزید یاد دہانی کے لئے اس تختی پر اپنی تسبیح رکھ دیں! اس ترکیب سے ان شاءاللہ وہ تکبیر تشریق نہیں بھولیں گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین یارب العالمین

عشرۂ ذی الحجہ کاآغاز ——— بقلم :- مفتی شاہد مغنی خیرآبادی

عشرۂ ذی الحجہ کے مبارک ایام شروع ہو چکے ہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی اہمیت و فضیلت اور خصوصی تقدس کو بیان کرتے ہوئے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اور وہ دس راتیں جمہور کے قول میں یہی عشرۂ ذی الحجہ کی راتیں ہیں،
احادیث شریفہ میں بھی ان کے بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں،
ایک حدیث مبارکہ میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایاایسا کوئی دن نہیں ہے کہ جس میں عبادت کرنا عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ افضل ہو اس میں سے ہر دن کے روزے ایک سال کے روزوں کے برابر قرار دیئے جاتے ہیں اور اس میں ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر قرار دی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔(مشکٰوۃ المصابیح /رقم :١٤٤٥)

قربانی کرنے والے ان باتوں کا خیال رکھیں...!

بقلم :- مفتی توقیر بدر القاسمی الازہری

قربانی کرنے والے اچھی طرح سے ان باتوں کو سمجھ لیں اور اس پر عمل کریں.........!

سوال :- مفتی صاحب السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ!

عرض مسئلہ یہ ہے کہ قربانی کا مہینہ آنے والا ہے ،ہم بحیثیت مسلمان جہاں اس اہم عبادت و نسک کو بجالانے کے پابند ہیں وہیں صفائی ستھرائی بھی ہمارے دین و ایمان کا حصہ ہے۔

کئی بار ہم کالج کے ساتھیوں میں یہ ڈبیٹ کا بھی حصہ بن جاتا ہے۔

آپ برائے کرم یہ بتائیں کہ گاؤں ہو یا شہر وہاں فضلہ، ہڈی، خون اوجھڑی وغیرہ کو گندے نالے میں بہانے یا کھلی جگہ پر چھوڑنے کے بجائے بہتر اور کیا راستہ اپنایا جاسکتا ہے؟تاکہ بدبو ،گندگی، مچھڑ مکھی اور جراثیم و بیماریوں سے بچا جاسکے!

اسی ہفتے اگر آپ تفصیل سے قرآن مقدس اور حدیث نبوی کی روشنی میں بچاؤ کے ہدایات و طریقہ کار لکھ کر بھیج دیں! تو بڑی مہربانی ہوگی۔

آپ کا ایک دینی بھائی مدثر منہاج گیا پٹنہ بہار

جواب :- وعلیکم السلام ورحمت اللہ وبرکاتہ!

سب سے پہلے یہ بتادوں کہ ، آپ کا یہ احساس کہ "ہم بحیثیت مسلمان جہاں اس اہم عبادت و نسک کو بجالانے کے پابند ہیں،وہیں صفائی ستھرائی بھی ہمارے دین و ایمان کا حصہ ہے" اس سے صد فیصد اتفاق ہے۔

ہم سبھی کو آج اس نکتے پر بھرپور دھیان دینے کی سخت ضرورت ہے۔
جہاں تک "بہتر راستہ اپنانے" کی بات ہے تو اس بابت آپ اسکول کالجز والے احباب ہی، بہتر ماحول دوست اصول و قواعد اور ری سائیکلنگ و کمپوسٹنگ Recycling & Composting کی روشنی میں بہتر اپائے ڈھونڈ کر دنیا جہاں کو دے سکتے ہیں۔
راقم اپنے مطالعے و مشاہدے کے نتیجے میں صفائی و ستھرائی کے حوالے سے چند "بہتر راستے" تجویز کرنا مناسب سمجھتا ہے، ممکن ہے دیگر اہل علم اس سے بھی بہتر راستے تجویز کریں! آپ ان سب سے بھی ضرور رابطہ کریں !

تجاویز

الف: گڑھا کھود کر دفن کرنا

گاؤں دیہات والوں کے لیے سب سے بہتر اور شرعی طور پر مستحسن طریقہ یہ ہے کہ خون، غیر استعمال ہونے والی چربی، ہڈیاں، اور دیگر فضلہ کو زمین میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا جائے۔
اسے انفرادی و اجتماعی دونوں طریقے سے عمل میں لایا جاسکتا ہے۔دیہات میں جہاں بلدیاتی سہولیات محدود ہوں، گاؤں کے لوگ مل کر ایک مشترکہ گڑھا تیار کر سکتے ہیں، جہاں سب کا فضلہ دفن کیا جائے۔
اس سے وقت اور جگہ دونوں کی بچت ہوتی ہے۔
گڑھا اتنا گہرا ہو کہ بدبو یا جانوروں کے کھودنے کا خطرہ نہ ہو۔ اسے سب لوگ مل جل کر مٹی سے اچھی طرح ڈھانپ دیں , دھیان رہے یہ طریقہ دیہات کے ساتھ ساتھ بعض شہروں میں بھی قابل عمل ہوسکتا ہے، بشرطیکہ وہاں مناسب جگہ میسر ہو۔

ب: مقامی بلدیاتی اداروں کے ساتھ تعاون

شہروں میں میونسپل یا بلدیاتی ادارے قربانی کے فضلے کے لیے مخصوص مقامات یا کوڑا اٹھانے کی سہولت فراہم کرتے ہیں۔

قربانی کرنے والے حضرات قربانی کے فضلہ کو مضبوط پلاسٹک بیگز میں بند کر کے میونسپلٹی والوں کے حوالے کریں، تاکہ وہ اسے مناسب طریقے سے ٹھکانے لگا سکیں۔

آپ کی کوشش یہ ہو کہ عید سے پہلے مقامی انتظامیہ سے سبھی حضرات رابطہ کرکے ان کے نظام کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرلیں۔

بائیو ڈی گریڈ ایبل ڈسپوزل سسٹم

اس (Biodegradability) گل سڑ کر کسی اور شکل میں بدل جانے والے نظام کو قربانی کے نامیاتی فضلے (جیسے خون، ہڈیاں، چربی، یا دیگر نرم بافتیں) کو ماحول دوست طریقے سے ٹھکانے لگانے کے لیے بھی سلیقے سے برتا جاسکتا ہے۔اس کا مقصد فضلے کو ری سائیکل کرنا یا اسے کمپوسٹنگ کے ذریعے "زمین کے لیے مفید" بنانا ہے۔

اس سسٹم کے تحت ہوتا یہ ہے کہ فضلہ چند ہفتوں سے مہینوں تک پروسیس ہونے کے بعد زرعی کھاد میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

کمال کی بات یہ ہے کہ یہ کھاد نائٹروجن، فاسفورس، اور پوٹاشیم سے بھرپور ہوتی ہے، جو کھیتوں اور باغات کے لیے کافی مفید ہے۔

فضلہ کے دیگر استعمال:

کچھ سینٹرز پر ان "نامیاتی فضلے" سے بائیو پلاسٹک یا دیگر مصنوعات جیسے کہ پولی لیکٹک ایسڈ (PLA) سے پیکیجنگ مواد و تھیلا وغیرہ بنایے جاتے ہیں.

یہ تھیلا وغیرہ روایتی غیر نامیاتی پالوتھین کی جگہ کافی ماحول دوست و کار آمد ہوتا ہے۔
یہ وقت کے ساتھ گل سڑ کر "شی دیگر" بن جاتا ہے۔روایتی پالیتھین کی طرح نالے وغیرہ میں پھنسک کر آپ و ہوا وغیرہ کو آلودہ نہیں کرتا۔

گھریلو کمپوسٹنگ:

اگر قربانی کرنے والے حضرات کی کمپوسٹنگ سینٹر تک رسائی نہ ہو، تو انہیں چاہیے کہ گھر یا گاؤں میں چھوٹا کمپوسٹ گڑھا بنائیں۔
اس میں قربانی کا فضلہ مزید انکے ساتھ گھاس، پتے، اور مٹی ملا کر مذکورہ گڑھے میں چند ہفتے چھوڑ دیں! یہ ایک بہترین زمین دوست کھاد میں بدل جایے گا۔

اسکے کئی سارے فائدے ہیں

فرض کیجیے آپ ایک دیہاتی علاقے میں رہتے ہیں،جہاں قربانی کے بعد بڑی مقدار میں فضلہ (خون، ہڈیاں، معدہ) جمع ہوتاہے۔آپ اسے مقامی لوگوں کی مدد بتایے گیے ہدایات کے مطابق ان فضلوں کو ایک بڑے سے گڑھے میں کمپوسٹنگ کی غرض سے ڈالتے ہیں، جہاں اسے گھاس، پتوں اور مٹی کے ساتھ ملا کر پروسیس کیا جاتا ہے۔
پھر سبھی دیکھتے ہیں کہ مہینوں بعد دبایے گیے فضلے اعلیٰ معیار کی کھاد میں بدل گیے ہیں، جسے آپ اور گاؤں والے سبھی اپنے اپنے کھیتوں میں استعمال کرتے ہیں۔
یقین جانیےآپ اندازہ نہیں کرسکتےکہ ان لوگ پھر مزید کس قدر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

زرعی فائدہ

مثلاً:اس سے آپکے چاول و گندم اور مکئی و گنے کے کھیت کی پیداوار بڑھتی ہے۔

(زرعی فائدہ)۔

ماحولیاتی فائدہ

ماحولیاتی فائدہ

گاؤں کے نالوں میں آلودگی اور لینڈ فلز (زمینی کوڑا کرکٹ) کم ہوتی ہے، نتیجتا گرین ہاؤس گیسز و میتھین گیس کے اخراج میں کمی آتی ہے۔زمیں میں پانی جذب کرنے کی صلاحیت بڑھتی ہے۔اور مضر کیمکل کھاد سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔(ماحولیاتی فائدہ)۔

معاشی فائدہ

آپ کو مہنگی کیمیائی کھاد خریدنے کی ضرورت نہیں پڑتی،اسی کے ساتھ پانی جذب کرنے کی صلاحیت بڑھ جانے پر کم سینچائی سے کام نکل آتا ہے ،اس سے سبھی بہتر فائدہ اٹھا لیتے ہیں(معاشی فائدہ)۔

معاشرتی فائدہ

گاؤں ،ماحول ،آب و ہوا اور فضا صاف ستھرا رہتا ہے، جس کے نتیجے میں بیماریاں کم ہوتی ہیں۔(صحت کا فائدہ)۔

کمپوسٹنگ کو فروغ دینے کے لیے مندرجہ تجاویز کو اپنا سکتے ہیں

۱:گھریلو کمپوسٹنگ: چھوٹے پیمانے پر گھر یا گاؤں میں کمپوسٹ گڑھا بنائیں۔
اس کے لیے زرعی ماہرین یا آن لائن گائیڈز سے رہنمائی لے سکتے ہیں۔

۲:مقامی سینٹرز سے رابطہ: سبھی اپنے اپنے شہر کے کمپوسٹنگ سینٹرز سے رابطہ کرکے ان کے پروگرامز میں شامل ہوسکتے ہیں ۔

۳: عوامی شعور:

مساجد، اسکولوں، یا کمیونٹی سینٹرز میں کمپوسٹنگ کے فوائد کے بارے میں ورکشاپس منعقد کرسکتے ہیں۔

٤:حکومتی تعاون: بلدیاتی اداروں سے مطالبہ کرکے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کمپو سٹنگ سینٹرز کی تعداد بڑھائیں اور بقرعید کے موقع پر خصوصی سہولیات فراہم کریں!

آخر میں یہ بھی واضح کردینا مناسب سمجھتا ہوں،کہ مذکورہ بالا ہدایات قرآن و سنت سے ہی مستفاد و مستعار ہیں!

پاکیزہ بنو اللہ کے محبوب قرار پاؤگے

قرآن مقدس اس بات کا دو ٹوک اعلان کرتا ہے کہ پاکیزہ بنو ،توبہ کرو ،پاکیزگی اختیار کرنے والے و توبہ کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں

"إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (البقرہ: 222)

ترجمہ:بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور حدیث نبوی میں بصراحت یہ تاکید موجود ہے"صفائی نصف ایمان ہے": چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"الطھور شطر الإيمان"(صفائی ایمان کانصف ہے) (صحیح مسلم:223)

مذکورہ بالا کمپوسٹنگ اور ری سائیکلنگ قربانی کے فضلے کو گندے نالوں یا کھلی جگہوں پر پھینکنے کے بجائے منظم طریقے سے پروسیس کرتی ہیں، جس سے بدبو، مچھڑ مکھیوں، اور جراثیم سے پھیلنے والی بیماریاں و گندگیاں (جیسے ڈینگی، ہیضہ ، مچھڑ مکھی) کم ہوتی ہیں۔

یہ عمل ماحول کو جہاں ایک طرف پاک و صاف رکھتا ہے،وہیں دوسری طرف بگاڑ و فساد بھی محفوظ رکھتا ہے ،اور یہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔

چناچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں: "وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا" (اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کے درست کیے جانے کے بعد)

(سورہ الاعراف: 56)۔

فضلہ کو کھلی جگہوں پر چھوڑنا بھی ایک حد تک مشاہدتا زمین میں فساد پھیلاتا ہے، جبکہ کمپوسٹنگ اسے روکتی ہے اور صحت عامہ کو بہتر بناتی ہے۔

بیماریوں کی روک تھام اور اسلامی تاکید

کمپوسٹنگ سے نامیاتی فضلہ (جیسے قربانی کے خون یا باقیات) کو جراثیم سے پاک کھاد میں تبدیل کیا جاتا ہے، جو گندگیوں و بیماریوں کے پھیلاؤ کو کم کرتا ہے۔

یہ عمل قرآن کے اس حکم سے صد فیصد ہم آہنگ ہے کہ انسان اپنی اور دوسروں کی صحت کا خیال رکھے۔ چناچہ سورہ بقرہ میں ہی ہے "وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ" (اور اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو) (سورہ البقرہ: 195)۔

غیر منظم فضلہ بیماریوں کا باعث بنتا ہے، جو خود کو اور معاشرے کو نقصان پہنچاتا ہے۔

کمپوسٹنگ Composting اس نقصان سے بچاتی ہے۔

بحیثیت انسان زمین و ماحول سے متعلق ہماری ذمہ داریاں

قرآن پاک ابن آدم کو بحیثیت انسان زمین کا نائب (خلیفہ) قرار دیتا ہے

("انی جاعل فی الارض خلیفة ")سورہ البقرہ: 30)۔

ظاہر سی بات ہے کہ یہ آیت انسان کو زمین، آب و ہوا، ماحول، فضا سبھی کی حفاظت اور وسائل کے درست استعمال کا بھی پابند بناتا ہے۔

مذکورہ بالاکمپوسٹنگ اور ری سائیکلنگ بھی ایک حد تک اس ذمہ داری کو پورا کرتی ہیں۔

ھذا عندی والصواب عنداللہ

امید کہ قربانی کے فضلے اور ان سے بچاؤ کے راستے اور قرآن کریم حدیث نبوی علیھا الصلاۃ و التسلیم سے آپ کے سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔ دعاوں میں یاد رکھیں۔

وقت رہتے آواز بلند کرلیں........ بقلم :- مفتی محمد اجود اللہ پھولپوری

غزہ بھوک سے بے حال ہے.....ہر طرف لاشیں ہی لاشیں ہیں.....بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں.....پورے غزہ کی ناکہ بندی کردی گئی ہے....انسانیت کے علمبردار اپنا ضمیر بیچ چکے ہیں.....معصوم بچوں اور بیوہ عورتوں پر کھانا پانی بند ہو چکا ہے.....عربی شہزادے ٹرمپ کا بوٹ چاٹ رہے ہیں.....عربی عورتیں بے شرمی سے خود کی نمائش کررہی ہیں......
یاد رہے یہ دنیا فانی ہے ...... کل سب کو رب کے حضور پیش ہونا ہے.....یہ دنیا کی رنگینی قبر کے اندھیرے کو کم کرپانے سے عاجز ہونگی.....انسانیت پر ہورہے ظلم پر خاموشی کا جواب دینا ہوگا.....جہنم کی آگ مردہ ضمیری کی پرتیں کھرچ کھرچ کر اتارینگی......
دنیا کی خاموشی آخرت کی چیخیں نکالنے کا سبب ہونگی.....وقت رہتے آواز بلند کرلیں......
شاید کل قیامت میں چیخنا نا پڑے.....!!
اے اللہ معصوموں کی نصرت فرما.....انکی اعانت فرما.....اپنے رحم و کرم کے دروازے ان کے لئے کھول دے..... ظالموں کو ہدایت نصیب فرما..... ہدایت مقدر نہیں تو ان کو تباہ و برباد فرما.... ان کی قوتوں کو نیست و نابود فرما.....رہتی دنیا تک کیلئے انکو نشان عبرت بنا.....آمین

غزہ جل رہا ہے، چلو دعا کریں —— بقلم :- مولانا طہ جون پوری

ہم جانتے ہیں، کہ یقیناً آپ ان کے حق میں دعائیں کر رہے ہیں، ان کے لیے رو رہے ہیں، لیکن آؤ، چلو، ایک بار پھر سے، ماؤں کی چیخ و پکار سنیں، بہنوں کی سسکیوں پر کان دھریں، بلبلاتے معصوموں کی فغاں کو اپنے پردہ سماعت سے ٹکرائیں.

آؤ چلو، ہواؤں میں اڑتے معصوموں کے چیتھڑے دیکھیں، ماؤں کے کٹے ہوئے دھڑوں پر نظر دوڑائیں، بہنوں کے جسموں کے پرخچے پر، نگاہ عبرت ڈالیں.

آؤ ایک بار پھر سے معصوموں کو بے پیاسا، ماؤں کو بن لقمے،اور بہنوں کو فاقہ کشی کرتے ہوئے دیکھیں.

آؤ، تڑپتے انسانوں کو،کراہتی ماؤں کو، چیختی بہنوں کو، نالہ فریاد بلند کرتی بیٹیوں کو دیکھیں آؤ گندے پانی کو، غذائی قلت والے اناج کو، کوڑے اور کچڑے میں سے نکالے ہوئے دانوں کو دیکھیں.

آؤ، ملبے کے نیچے آواز دیتے شہداء کو، کفن کے بجائے پلاسٹک میں پیک کی ہوئی ہڈیوں کو، سڑکوں پر بکھرے ہوئے انسانی پرزوں کو اور سڑتی ہوئی لاشوں کو دیکھیں.

جی ہاں، غزہ جل رہا ہے، انسانیت مر رہی ہے، اصحاب ثروت، طاؤس و رباب میں ہیں، آؤ پھر سے اپنی بے بسی پر ماتم کریں، رب سے دعا کریں. ان کے لیے عافیت کی بھیک مانگیں. خدا رحم فرمائے آمین ثم آمین یا رب العالمین

بدترین ظلم کے چھ سو دن مکمل

بقلم :- مولانا حبیب اعظمی قاسمی ابراہیم پوری

عیدالاضحیٰ کی مسرتیں قریب آگئیں اور ماہ ذوالحجہ شروع ہوگیا۔ چاند دیکھ کر اہل اسلام خوشیوں میں ڈوب گئے ، پر افسوس کہ شہر عزیمت "غزہ" میں جنگ بندی ابھی نہیں ہوسکی۔ البتہ بعض خبروں سے اسکی تائید ہوتی نظر آرہی ہے کہ اس حوالے سے مذاکرات اور کوششیں جاری ہیں۔اسرائیل اپنی شرائط پر جب کہ حماس اپنی شرائط پر قائم ہے اور صہیونی ظلم بھی حسب سابق پوری شدت کےساتھ عام فلسطینیوں کواپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ خون کی ارزانی ہنوز اسی طرح ہے اور درجنوں شہداء کے جنازے ہر شب و روز کا معمول ہے۔ غزہ کے ان جیالوں کی یہ قربانیاں ان کے اہل حق اور شیدایان عزیمت ہونے کی غماز ہیں اور ہمارے لیے بھی ان قربانیوں میں درس عبرت ہے۔

قرائن سے محسوس ہوتا ہے کہ ان شاءاللہ جلد ہی جنگ بندی معاہدہ طے پائے گا ؛ کیوں کہ کئی بڑے مغربی ممالک بھی کھل کر اسرائیل کے ظلم کے خلاف متحد ہوچکے ہیں اور غزہ کے مظالم خصوصاً بھوک مری اور بچوں کے قتل پر مسلسل آواز بلند کررہے ہیں۔

موجودہ صورت حال نے سب کو غزہ کی جانب متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا ہے اور امید کی جانی چاہیے کہ دیر سے سہی ، مگر شاید کچھ پائیدار حل نکلے اور امن قائم ہو۔

اس دوران صہیونی دہشت گردوں کی مسجد اقصیٰ میں داخلے اور حرم ثالث کی بے حرمتی کی تصاویر کےساتھ ہی نتین یاہوکی ایک تصویر دکھائی دی جس میں دعویٰ کے مطابق وہ مسجد اقصیٰ کے نیچے ایک بڑی سرنگ میں موجود ہے اور ہیکل سلیمانی کی مزعومہ باقیات پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے ناپاک عزائم ظاہر کررہا ہے اور عالم اسلام کو چیلنج کررہا ہے۔

مسجد اقصیٰ کی اس طرح مسلسل بے حرمتی پر عالم اسلام کی جانب سے کسی شدید ردعمل کا ظاہر نہ ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اہل اسلام اب اپنی مسجد اقصیٰ اور اپنے قبلۂ اول کو بھی بھول چکے ہیں اور اب انھیں بیت المقدس کی زخمی آہوں اور فلسطین کی دردناک سسکیوں سے کوئی حقیقی تعلق خاطر نہیں رہا۔

چھ سو دن مکمل ہوگئے غزہ ظلم و استبداد کے،اور اب بھی وہاں صہیونی ظلم بدترین شدت کے ساتھ جاری ہے ؛ مگر دنیا بھر کے سوا ارب سے زائد مسلمان اور ستاون طاقت ور مسلم ممالک صرف خاموش تماشائی ہیں۔

تین ماہ کی سخت ناکہ بندی کے بعد عالمی دباؤ کے تحت کچھ امدادی ٹرکوں کے داخلے کی اجازت ملی ؛ لیکن حالات اس قدر نازک ہیں کہ اہل غزہ کے لیے یہ امداد ابھی معمولی ثابت ہورہی ہے۔نیز یہودی شدت پسند جگہ جگہ ان ٹرکوں کو بھی غزہ جانے سے روک رہے ہیں۔انسانی تاریخ کا یہ بدترین ظلم ہے جو صہیونی ریاست کی طرف سے غزہ پر مسلط کیا گیا ہے اور جہاں ایک ایک لقمہ کے لیے ہزاروں لوگ ترس رہے ہیں۔

ہر منظر ہی انتہائی دردناک اور ناقابلِ برداشت حد تک دل کو زخمی کیے دیتا ہے ؛ لیکن یہ تازہ منظر ان میں اب تک نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو رہا ہے جس میں ایک معصوم بچی خطرناک آگ کی زد میں ہے۔ اسرائیلی بمباری نے پناہ گزینوں کے خیموں کو جلاکر جگہ جگہ تباہی برپاکر رکھی ہے۔اس بچی کے اہل خانہ بھائی بہن اور ماں باپ شہید ہوگئے اور وہ جلتے ہوئے خیمے میں چاروں طرف لگی آگ سے گزرنے اور شعلوں سے بچنے کی کوشش کر رہی ہے۔«یا نار کونی بردا و سلاما علی اہل غزہ»

اللھم ارحم امۃ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم

فلسطین لہو لہو ہے، مگر انصاف کے علمبرداروں کی زبانیں گنگ ہیں!

بقلم :- مولانا عبد المجید اسحاق قاسمی بیگوسرائے بہار

آج کا عالمی منظرنامہ عجیب تضاد کا شکار ہے۔ ایک طرف طاقتور اقوام خود کو انسانی حقوق، آزادی، جمہوریت اور امن کا علمبردار قرار دیتی ہیں، اور دوسری طرف انہی کے زیر سایہ فلسطین کا معصوم لہو بہایا جا رہا ہے، بستیوں پر بم برسائے جا رہے ہیں، بچوں کو یتیم اور ماؤں کو بیوہ بنایا جا رہاہے۔ مگر دنیا کی وہ تنظیم، جسے عالمی امن کی علامت سمجھا جاتا ہے اقوام متحدہ — اپنی بے بسی یا جانبداری میں گم ہے۔

اسرائیل، جو گزشتہ کئی دہائیوں سے ریاستی دہشت گردی کا سرغنہ ہے، آج بھی ظلم و جبر کے ہتھکنڈوں سے فلسطینیوں کی زمین، انکے خواب، انکے حقوق، انکی مسکراہٹیں ان کا سکون اور انکی زندگیاں چھین رہا ہے۔ مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی، غزہ کی محاصرے میں قید زندگی، اور مغربی کنارے میں روزانہ ہونےوالی بربریت، سب کچھ دنیا کی نظروں کے سامنے ہے۔ مگرانسانی حقوق کے عالمی دعویدار ادارےاور لیڈران محض بیانات سے آگے نہیں بڑھتے۔ **اگر دنیا واقعی** انصاف کی طلبگارہوتی، اگر اقوام متحدہ واقعی غیر جانب دارہوتی، تو اسرائیل جیسے ظالم کے خلاف سخت ایکشن لیا جاتا، نہ کہ اس کے ظلم پر آنکھیں بند کی جاتیں۔ اقوام متحدہ کی خاموشی اب ایک "خاموش حمایت" بن چکی ہے۔ یہ خاموشی انصاف کے قتل میں شراکت دار ہے۔

آج کی جنگ صرف ہتھیاروں کی نہیں، بیانیے کی بھی ہے۔ اسرائیل میڈیا کی زبان سے اپنا ظلم چھپاتا ہے اور مظلوم کو دہشت گرد بنا کر پیش کرتا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ

دنیا اس پروپیگنڈے کو قبول کرتی ہے، اور حقیقت کو پسِ پشت ڈال دیتی ہے۔
بطور مسلمان، بطور انسان، ہمیں اس خون آشام خاموشی کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے۔
ہمیں حق اور سچ کے ساتھ کھڑا ہونا ہوگا۔ فلسطینیوں کی حمایت کرنا صرف ایک مذہبی فرئضہ نہیں، بلکہ انسانیت کا تقاضا بھی ہے۔
کیا ہم واقعی انصاف کے ساتھ ہیں؟ اگر ہاں، تو اب خاموشی کو توڑنا ہوگا۔
اگر ہم نے آج نہ بولا، تو کل شاید بولنے کے بھی قابل نہ رہیں۔

آپریشن سندور کتنا کامیاب کتنا ناکام — بقلم :- حافظ محمد خطیب اعظمی

2019 میں پلوامہ حملہ ہوتاہے 300 کلو بارود ملک کے اندر آتاہے (کہاں سے آتا ہے کیسے آتا ہے اسکی تفتیش آجتک نہیں ہوپائی؟) دھماکہ ہوتا ہے۔ 40 فوجی جوان پل بھر میں لقمہء اجل بن جاتے ہیں۔

مودی حکومت بالا کوٹ پر آپریشن سرجیکل اسٹرائیک کرکے بدلہ لیتی ہے۔ لیکن اپوزیشن سے کوئی میٹنگ نہیں کی جاتی نہ ہی پاکستان کی نازیبا حرکت سے دنیا کو آگاہ کرنے کیلئے کوئی وفد تشکیل دیا جاتاہے۔ شاید اسلئے کہ پورےطور سے اس حملے کو آئندہ ہونے والے پارلیمانی الیکشن میں استعال کرنے کی تیاری تھی اور استعال کیا بھی گیا۔

دوسرا واقعہ22 اپریل 2025 کو سیاحتی مقام پہلگام میں پیش آتاہے۔ دوچار مبینہ بندوق بردارسیاحتی مقام پرآتے ہیں اور26 بیگناہ سیاحوں کو موت کی نیند سلا کر آسانی سے چلے جاتے ہیں۔خلاف توقع جہاں دو ہزارسیاح ہوتے ہیں وہاں ایک بھی پولیس والا نہیں ہوتا۔ اس بار بھی یہ جانچنے اور پرکھنے کی کوشش نہیں ہوتی کہ وہ موت کے سوداگر ملک کے اندر کیسے داخل ہوئے اور بآسانی واپس کیسے چلے گۓ اور اسوقت وہ کہاں ہیں؟

اس بار بھی بدلہ لینے کی تیاری شروع ہوگئ لیکن فضائی بیڑے میں رافیل جیسی طاقت بڑھ جانے کے باوجود اس پر عمل کرنے میں 16 دن لگ گئےاور حیرت انگیز طور پر بلا کسی نتیجہ کےآپریشن سندور کے نام سے شروع کۓ گۓ حملے کو تین دن کے اندر اچانک جنگ بندی میں تبدیل کردیا گیا۔

تیزی سے ہدف کی طرف بڑھتی جوش و جذبہ میں ڈوبی فوج بھی حیران کہ یہ کیا ہوگیا۔

ابھی تو پوری طرح سے جنگ کا بگل بھی نہیں بجا تھا، جنگی شاہینوں کے پوری طرح سے پر بھی نہیں کھل پائے تھے کہ جنگ بندی کا حکم آجاتا ہے۔

(جنگی اصطلاح میں ایسی جنگی بندی کو شاید سرنگوں اور سرنڈر کرنا کہتے ہیں)

اور اس جنگ بندی کا سہرا ٹرمپ نے ببانگ دہل اپنے سر پر باندھنا شروع کردیا۔ اور اس ضمن میں ٹرمپ ابتک آٹھ بار اپنے دعویٰ کا اعادہ کرچکا ہے۔ لیکن حیرت اس بات کی کہ 56 انچ کا سینہ رکھنے والا ہندوستانی وزیر اعظم ایک بار بھی ٹرمپ کے دعوؤں کی تردید نہیں کرسکا۔

سوال یہ کہ کیا 2019 کا "آپریشن سرجیکل اسٹرائیک" کامیاب تھا اور 2025 کا "آپریشن سندور" ایک ناکام آپریشن تھا؟

آخر کیوں سرجیکل اسٹرائیک آپریشن پر اپوزیشن سے کسی میٹنگ کی نوبت اور کوئی وفد تشکیل دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اور آپریشن سندور کے فوراً بعد کل جماعتی میٹنگ اور پاکستان کی نازیبا حرکت سے دنیا کو آگاہ کرنے کیلیۓ 40 افراد پر مشتمل 7 وفود تیار کرکے مختلف ممالک میں بھیجنے کی ضرورت پڑ گیٔ؟

اگر بھارت کا حالیہ آپریشن سندور واقعی ایک کامیاب آپریشن تھا تو بھارت کو دنیا کے مختلف ممالک میں وفود بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

فاتح ہمیشہ اپنی جگہ جمارہتا ہے۔ رونے دھونے اور صفائی شکایت پیش کرنے کی ضرورت کمزور کو پڑتی ہے۔ اور اسوقت بلا شبہ پاکستان کے مقابلے بھارت ایک مضبوط ملک ہے پھر بھی۔۔۔۔ دراصل ٹرمپ کی مداخلت سے آپریشن سندور تین دن میں اچانک سمٹ جانے سے چو طرفہ طور پر اپوزیشن کا حکومت پر حملہ اتنا شدید تھا کہ حکومت خود دفاعی

پوزیشن پر چلی گئ۔ اور حکومت کے پاس اپوزیشن کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا کہ۔۔۔ سارے سیاسی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ہر طرح کے تعاون کا یقین ہم نے دلایا تھا اور جنگ بندی کا اعلان کرنے والا ٹرمپ کون ہوتا تھا؟

حکومت نے ان جیسے سوالات سے بچنے کیلیئے دو بار کل جماعتی میٹنگ بلائی (لیکن کسی ایک میں بھی وزیراعظم شریک نہیں ہوئے) اوروفد تشکیل دینے پر گفتگو ہوئی جسمیں اپوزیشن کی ہر پارٹی کے ایک دو افراد کو شامل کرکے شاہانہ خرچ پر پکنک پر بھیج دیا گیا ہے۔ یہ ایک لاحاصل عمل اور اپوزیشن کا منھ بند کرنے کی ایک حکمت عملی تھی جسمیں بظاہر حکومت کامیاب ہوگئ ہے۔

مودی حکومت کا یہ کتنا بڑا نفاق اور دوغلا پن ہے کہ جس کرنل صوفیہ قریشی کو گالی دینے والا وزیروجے شاہ اورپوری فوج کوگالی دینے والامدھیہ پردیش کا نائب وزیر اعلیٰ کے خلاف مودی حکومت اپنے ہی ملک میں ابتک کوئی کارروائی نہیں کرسکی وہی دنیا کو پاکستان کی حیثیت اور حقیقت بتانے کیلیئے وفد پر وفد بھیجے جارہی ہے؟

بے شرمی کی انتہا اسوقت اور ہوگئ جب مودی آپریشن سندور کو اس جملے کے ساتھ کہ۔ (میری رگوں میں لہو نہیں گرم گرم سندور بہہ رہا ہے) بھنانے سے نہیں چوکے۔

آپریشن سندور اصل فوج نے کیا اور فوجی وردی میں بڑے بڑے اشتہار اور پوسٹر مودی کے لگ رہے ہیں۔ کلکٹروں کے ذریعہ ہر جگہ گلپاشی مودی پر کرائی جارہی ہے۔

پہلی بار ملک کو ایک ایسا وزیر اعظم ملا ہے جو ہروقت اور ہر موقعہ پر شہرت کا خواہاں رہتا ہے۔ اور اسے بھنانے کا کوئی موقعہ گنوانے سے نہیں چوکتا۔

محمد خطیب اعظمی / 29/5/2025ا

جنگ اور نفرت کے بیچ کہانی میرے ہندوستان کی

بقلم :- مولانا عبد المجید اسحاق قاسمی

گزشتہ کل میں برونی سے نئی دہلی کے لیے روانہ ہوا تاکہ بی ایڈ کے پہلے سال کا امتحان مقررہ تاریخ پر دے سکوں۔ چونکہ یونیورسٹی کی طرف سے تاریخ کا اعلان ہو چکا تھا، اس لیے جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ البتہ دل میں یہ اندیشہ ضرور تھاکہ موجودہ جنگی ماحول کے پیش نظر کہیں امتحان منسوخ نہ ہو جائے۔ اسی شش و پنج میں سفر شروع کیا۔

راہ کے پتھر سے بڑھ کر کچھ نہیں ہیں منزلیں
راستے آواز دیتے ہیں ، سفر جاری رکھو
آتے جاتے پل یہ کہتے ہیں ہمارے کان میں
کوچ کا اعلان ہونے کو ہے، تیاری رکھو

میرے ہم سفر محترم ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب، اُنکی اہلیہ (ان کا بھی ایک پرچہ باقی ہے) ، اورہمارا بھانجا سمیع اللہ ہردیاتھے۔ ٹرین میں خوش قسمتی سےکوئی خاص دقت نہ پیش آئی، اور نہ ہی موجودہ حالات کاکوئی منفی اثر محسوس ہوا۔ بس ہر کوئی اپنی منزل تک پہنچنے کی جستجو اور تمنا میں مگن تھا۔

ٹرین اپنےمقررہ وقت سےکافی تاخیر کا شکار تھی۔ ہمیں آج صبح 5:30 بجے دہلی پہنچنا تھا، لیکن ریلوے نظام کی سستی کی وجہ سےیہ چند سطور اس وقت کانپور جنکشن کی راہگزر سے تحریر کر رہا ہوں۔

سچ یہ ہے کہ نفرت کو ہوا دینے والے لوگ گنے چنے ہوتے ہیں،مگر بدقسمتی سے ان کی

پیدا کردہ فضا میں ایک بڑی آبادی ناسمجھی کے باعث شکار بن جاتی ہے۔ اس کے باوجود، آج بھی 85 فیصد لوگ محبت، اخوت اور یکجہتی پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہندوستان کی اصل روح، اس کی گنگا-جمنی تہذیب کے علمبردار ہیں۔

اس کی ایک جھلک آج اس وقت دیکھی جب میں برش اور کولگیٹ لے کر واش روم کی طرف گیا۔ میرے برابر میں ایک 24 سالہ غیر مسلم نوجوان نے اپنا برش میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "مجھے بھی کولگیٹ دے دیجیے۔" میں حیران رہ گیا۔ ابھی میں کچھ سمجھ ہی رہا تھا کہ ایک پچپن سالہ خاتون نے بھی نرمی سے کولگیٹ مانگ لیا۔ تب میں نے خود سے کہا: "یہی ہے میرا ہندوستان۔ یہی ہے اس کی اصل تہذیب۔"

یہ تہذیب ختم نہیں کی جا سکتی،چاہے فرقہ پرست عناصر کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں۔ یہی سچ ہے، یہی امید ہے، اور یہی ہندوستان کی اصل کہانی ہے — محبت، بھائی چارہ اور انسانیت۔

نفرت، فرقہ پرستی، اور تقسیم کا جو زہر کچھ لوگ پھیلانا چاہتے ہیں، وہ وقتی ہو سکتا ہے، مگر یہ سرزمین صدیوں سے محبت کی آبیاری میں رچی بسی ہوئی ہے۔

شعلے جتنے بھی ہوں، ایک نمی سب بجھا دیتی ہے
اندھیرے کتنے بھی ہوں، ایک دیا سب مٹا دیتا ہے

اور اس دیے کی لو ہر ایک شہری کی زبان، اس کا رویہ، اس کا عمل ہے۔ اگر ہم سب بحیثیت ہندوستانی محبت کی بات کریں، ایک دوسرے کا ساتھ دیں، تو نہ صرف موجودہ حالات کا مقابلہ کر سکتے ہیں بلکہ آئندہ نسلوں کے لیےایک بہتر ہندوستان چھوڑ سکتے ہیں۔

اور اب میرِکارواں رخصت ہوا (بر وفات حضرت مولانا محمد عاقل صاحب سہارن پوری)

بقلم :- مولانا اظہارالحق قاسمی بستوی

سہارن پور کی علمی کہکشاں کاایک اور ستارہ ٹوٹا اور غروب ہو گیا۔ اس دور کا مربی کامل اور محدث جلیل رخصت ہوا اور لوگوں کو اپنے دیرینہ فیض سے محروم کر گیا۔ اللہ تعالی غریق رحمت فرمائے۔

مظاہر علوم سہارن پورعلم دین اور اخلاص وعمل کاوہ عظیم قلعہ ہے جس کی مثال تاریخ میں شاذ و نادر ہی ملے گی۔ اسکے چپے چپے اور گوشے گوشے سے علم وعرفان کی شمعیں پھوٹیں اور انھوں نےپوری دنیا میں اجالاکر دیا۔آج مظاہرعلوم کی فضا اپنے عظیم سپوت حضرت مولانا محمدعاقل صاحبؒ شیخ الحدیث و ناظم اعلی جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کی وفات حسرت آیات کی وجہ سے نہایت سوگوار ہے۔

حالیہ دنوں بہت کم عرصے میں مظاہر نے اپنے ان عظیم الشان سپوتوں کو کھویا ہے جن پر دنیائے فضل وکمال کوبجا طور پرفخرکرنے کاحق ہے۔ ستارے ٹوٹنے کا آغاز امیرالمؤمنین فی الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ سے شروع ہوتا ہے۔ ان کے بعد پیرکامل ابن شیخ الحدیث حضرت مولانامحمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ راہی ملک بقا ہوتے ہیں۔

کورونائی دور کےآغاز میں ناظم اعلی حضرت مولانا محمدسلمان صاحب جوار رحمت کی طرف کوچ کر گئے اور پھر مظاہر کے امین عام حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحبؒ نے رخت سفر باندھ لیا۔ ان سب شخصیات کی الم ناک رخصتی کے سبب پیداہونے والی ویرانگی کی شدت کاحضرت مولانا محمدعاقل صاحبؒ کی مظاہرعلوم کی آغوش میں موجودگی نےاحساس

کم ہونے دیا۔ مگر اب تو میر کارواں ہی رخصت ہو گیا۔
حضرت مولانا محمد عاقل صاحبؒ کی رخصتی سے فکر دیوبند کی ساری علمی فضا سوگوار ہے۔ جسے بھی علم وعلماء سے ربط و تعلق ہے وہ حضرت مولانا کی وفات سے کبیدہ خاطر اور رنجور ہے ۔ اللہ تعالی حضرت مولانا کی مغفرت فرماکر اپنے جوار خاص میں جگہ عنایت فرمائے۔

حضرت مولانا سے ایک ناقابل فراموش ملاقات

یہ سنہ2009 کی بات ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں ہم دورہ حدیث کے طالب علم تھے۔ ہمارے شیخ الحدیث حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ نے دیوبندی حلقوں میں معروف و معمول بہا جمعہ کے دن بعد نماز عصر اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے پڑھے جانے والے درود شریف اور اس کی اسی (80) سالہ عبادت کا ثواب اور اسی (80) سال کے گناہ معاف ہونے کی فضیلت کا درسگاہ میں رد فرمایا؛ بل کہ اس کے غیر ثابت ہونے کا قول ارشاد فرمایا۔ چوں کہ مدرسہ عربیہ ریاض العلوم چوکیہ گورینی یعنی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ جون پوری کے مدرسے میں طالب علمی کے دوران تقریباً چھ برسوں تک اس درود شریف کا معمول رہا تھا اس وجہ سے حضرت مفتی صاحبؒ کی بات سے تامل ہوا اور اس کی مزید تحقیق کے لیے ہم نے کسی رفیق کے ساتھ سہارن پور کا سفر کیا اور حضرت مولانا محمد عاقل صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استاذ محترم کا نام لیے بغیر ایک محدث کے حوالے سے عرض مدعا کیا۔
جمعہ والے درود شریف کی اس فضیلت کے رد کو سن کر ہم نے دیکھا کہ حضرت مولانا کی حالت غیر ہوگئی اور کسی قدر جلال میں آکر حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ: درود

شریف کی اتنی فضیلت تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس سے بہت زیادہ بھی اگر درود شریف کی فضیلت بیان کی جاتی تو درود شریف کی نسبت کے سامنے ہیچ رہتی۔ پھر انھوں نے عرض کیا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے سامنے تو تقریباً پورا ذخیرہ حدیث تھا۔ جب انھوں نے اس درود شریف کو ذکر کیا ہے تو اس درود شریف اور اس کی فضیلت کے ثابت ہونے میں کیا شک ہے جب کہ انھوں نے اس کے ثبوت میں القول البدیع نامی کتاب کاحوالہ بھی دیا ہے پھر بھی اس درود کے رد کا کوئی جواز نہیں۔ **حضرت مولانا کی بات** سن کرہمارا دل مطمئن ہو گیا اور تب سے آج تک کوئی شبہ نہیں گزرا۔ حضرت مولانا کے "درود شریف کے سامنے تو یہ فضیلت کچھ بھی نہیں، اگر اس سے بہت زیادہ بھی کچھ کہا جاتا تو درود شریف کےسامنے سب ہیچ رہتا " کے جملے نے دل میں درود پاک کی عظمت کو مزید آشکارا اور منکشف کردیا اور چھوٹے سے چھوٹے الفاظ پر مشتمل درود شریف کی اہمیت دل میں جا گزیں ہو گئی۔

یوں تسکین و تشفی کے بعد ہم حضرت والا کے گھر سے واپس دیوبند آگئے۔

آج جب حضرت والا وفات پا چکے ہیں تو ان کی یہ بات یاد آگئی اور یاد رہ گئی۔

اللہ تعالی حضرت مولانا کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار خاص میں انھیں خصوصی مقام عطا فرمائے! آمین

علم و عمل کے نیر تاباں: حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب نور اللہ مرقدہ

بقلم :- مولانا محمد عادل امام قاسمی

علم و عمل فکر و فن کے نیرتاباں حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ایک کہنہ مشق مدرس اور جلیل القدر محدث تھے، ان کی پوری زندگی دین متین کے لیے وقف تھی. آپ میدان درس و تدریس کے ساتھ ساتھ راہ سلوک و معرفت کے عظیم نباض اور صاحب نسبت بزرگ تھے، لاکھوں طالبان علوم نبویہ نے آپ سے کسب فیض کیا اور اپنے قلوب کو جلا بخشا. آپ کی ولادت با سعادت 9/ شعبان المعظم 1355 ہجری مطابق 15/ اپریل 1937 کو سہارنپور میں مولانا حکیم محمد ایوب صاحب نوراللہ مرقدہ کے گھر ہوئی. محض 10 سال کی عمر میں آپ نے حفظ قران کریم کا آغاز فرمایا اور 18/اکتوبر 1950 میں تکمیل حفظ قران کریم کی سعادت حاصل کی. از ابتدا تادورۂ حدیث شریف اورفنون کی تعلیم مدرسہ مظاہرعلوم میں تعلیم حاصل کی۔

شعبان 1380 مطابق جنوری 1961 میں دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، اسکےبعد ایک سال فنون میں لگایا. آپ کو جن جلیل القدر اساتذہ سے کسبِ علم کا شرف حاصل ہوا ان میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، مولانا منظور احمد خان، مولانا اسعد اللہ صاحب رامپوری، مولانا امیر احمد کاندھلوی اور مفتی مظفر حسین نور اللہ مرقدہم کے اسماء سر فہرست ہیں. امیر المومنین فی الحدیث حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا اجتباء الحسن کاندھلوی اور دیگر کئی مؤقر شخصیات آپ کے رفقائے درس میں شامل ہیں. تعلیمی امور سے فراغت کے بعد

11/رجب المرجب 1381ھ دسمبر 1961ء میں آپ کا نکاح حضرت شیخ کی صاحبزادی سے مولانا محمدیوسف کاندھلوی نوراللہ مرقدہ نےپڑھایا، سیکڑوں روحانی اولادوں کے ساتھ ساتھ اللہ نےآپکو 12 حقیقی اولاد سے نوازا جن میں چھ صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں ہیں.

آپ علیہ الرحمہ جس محنت ولگن کے ساتھ تحصیل علم میں منہمک رہے اسی کا ثمرہ اور نتیجہ تھا کہ مظاہرعلوم کی انتظامیہ نے آپ کے علمی رسوخ اور ذاتی صلاحیت کی بنیاد پر تعلیمی مراحل سے فراغت کے فوراً بعد مظاہرعلوم میں سن 1961 میں بطور معین مدرس منتخب کیا اور اگلے سال باضابطہ مدرس ہو گئے ، چند سالوں بعد آپ کی تدریسی وعلمی سرگرمیوں کو دیکھ کر انتظامیہ نے استاذ حدیث کے طور پر آپ کو مقرر کرلیا ساتھ ہی ابو داؤد شریف آپ کے زیر درس آئی، تقریبا 50 سالوں تک ابو داؤد شریف کا بہترین انداز میں درس دیتے رہے.ذیقعدہ 1390 ہجری مطابق جنوری 1971 میں مجلس شوری نے آپ کو صدر مدرس کے منصب جلیلہ پر فائز کیا، آپ نے پوری متانت و سنجیدگی کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبھایا، انتقال سے دو سال قبل اس عہدے سے سبکدوش ہوئے۔

درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف و تالیف میں بھی یدطولیٰ رکھتے تھے، آپکے اس ذوق لطیف کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے آپ کو اپنے تصنیفی کام کا معاون بنا لیاتھا، مضامین و مباحث کی تلاش و جستجو آپ سے متعلق کر رکھی تھی.

اس زمانے میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ لامع الدراری علی الجامع البخاری جلد دوم،فضائل درود شریف اور الابواب والتراجم تصنیف فرمارہے تھےاس میں آپ حضرت شیخ الحدیث کے علمی کاموں کے معاون رہے. مقدمہ الکوکب الدری علی جامع الترمذی ،

حاشیہ الفیض السمائی،الدر المنضود شرح ابوداؤد،ملفوظات حضرت شیخ،مختصر فضائل درود شریف کفایۃ المھتدی لحل کتاب ابی عیسی الترمذی وغیرہ آپ کے تصنیفی ذوق کی یادگار ہے۔

حضرت مولانا سید محمد عاقل نوراللہ مرقدہ حقیقی معنوں میں اکابر و اسلاف کے سچے جانشین تھے، آپ نے اپنی علمی و عملی زندگی سے علماء اور طلباء کی زندگی پر بڑا گہرا اثر ڈالا. دو سال قبل دارالعلوم دیوبند میں شوری کی اجلاس کے موقع پر حضرت سے مصافحہ کا شرف حاصل ہوا، آپکی نفاست طبع اور وقار کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا، آپ کی سادگی اور تصنیفی خدمات کودیکھ کر دل میں ایک جذبہ پیدا ہوا، اپنی زندگی کے لیے ان کی روشن روایات اور خدمات کو اپنانے کے لیے مشعل راہ گردانتے لگا ، یہی وجہ ہے کہ گزشتہ دو سالوں کے درمیان کئی مرتبہ حضرت سے ملاقات کے لیے سہارنپور جانا ہوا، لیکن ملاقات نہیں ہوسکی،استفسار کرنے پر معلوم ہوتا کہ حضرت بیمار ہیں، کہیں سفر پر ہیں. رواں سال بھی ملاقات کی ترتیب کے بارے سوچا تھا، لیکن اجل کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ عیدالفطر کے بعد ماہ شوال میں نقاہت اور جسمانی کمزوری زیادہ ہو گئی تو متعلقین کے مشورے سے شہر میرٹھ کےایک پرائیویٹ ہسپتال میں آپ کوداخل علاج کیا گیا ماہر ڈاکٹروں کی نگرانی میں علاج چلتا رہا، 28 شوال المکرم کو ڈاکٹروں نے جواب دے دیا، تو اہل خانہ نے آپکو گھر لے آیا . 29 شوال المکرم 1446 ہجری مطابق 28 اپریل 2025 بروز دوشنبہ دوپہر پونے 12 بجے آسمان علم حدیث کا یہ روشن ستارہ ہمیشہ ہمیش کے لیے غروب ہو گیا۔

افلاک رو رہے ہیں زمیں بھی اداس ہے
آنسو بہا رہی ہے فضا تیری موت پر

کہتے ہیں درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے

بقلم :- مولانا ڈاکٹر ارشد قاسمی

یہ جملہ جب بھی ذہن میں آتا ہے، کچھ چہرے اورچند ادارے خود بخود آنکھوں کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں۔ انہی روشن چہروں میں ایک چمکتا ہوا چہرہ، ایک تربیت یافتہ دل و دماغ،اور ایک بلند ہمت شخصیت مولانا وستانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ اگرچہ مجھے براہ راست ان سے ملاقات اور استفادے کا شرف حاصل نہ ہو سکا، لیکن زندگی کے سفر میں مجھے ان کے قائم کردہ ادارے کی خوشبو محسوس کرنے کا موقع ضرور ملا۔

بمبئی میں صابوصدیق ہاسپٹل میں ملازمت کے دوران ان کے قائم کردہ یونانی میڈیکل کالج کے فضلاء و فاضلات کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملا۔ ان کے اخلاق، وضع داری، دینی وابستگی اور عملی زندگی میں شرعی شعور کو دیکھ کر دل بے ساختہ اس معمارِ ملت کو دعائیں دینے پرآمادہ ہوا۔دیگر اداروں کے مقابلے میں یہاں کے فارغین زیادہ دیندار، باعمل اور ظاہری و باطنی پاکیزگی سے آراستہ نظر آئے۔ طالبات کا پردہ، جسے آج کے تعلیمی ماحول میں اکثر نظرانداز کر دیا جاتا ہے، یہاں ایک مسلمہ قدر کی حیثیت رکھتا تھا۔
یہ سب کچھ یوں ہی نہیں تھا۔ اس کے پیچھے یقیناً مولانا وستانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خلوص پر مبنی جدوجہد، ان کا حکیمانہ اندازِ تربیت، اعلیٰ انتظامی صلاحیت، اور ملت کے لیے فکری تڑپ کارفرما تھی۔انھوں نے تعلیم کو صرف سند اور روزگار کا ذریعہ نہیں بلکہ کردارسازی اور روحانی تربیت کا وسیلہ بنایا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے زلات و سَیِّئات کو حسنات سے مبدل فرمائے، اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ وہ بظاہر ایک فرد تھے، لیکن کام اکیڈمیوں بلکہ حکومتوں سے بڑھ کر کر گئے۔ انھوں نے جن اداروں کی بنیاد رکھی، وہ آج بھی علم و عمل کی شمعیں روشن کیے ہوئے ہیں۔ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں ہوگا کہ وہ ایک تنہا شخص تھے، مگر ان کی کوششوں سے ایک کارواں وجود میں آ گیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، اور ان کے مشن کو جاری و ساری رکھنے کے لیے ایسی ہی باصلاحیت، مخلص اور بیدار مغز قیادت مہیا فرمائے۔ آمین۔

واقعی وہ خام القرآن تھے ـــــــ بقلم :- مفتی محمد اشرف علی قاسمی

مولانا کی خدمات بے شمار اور ہمہ جہت ہیں؛لیکن "خادم القرآن" کا لقب دور حاضر میں ان کے لئے سب سے زہادہ موزوں معلوم ہوتا ہے,اس وجہ سے بھی کہ خدمت قرآن سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اس وجہ سے بھی کہ قران کریم کو تصحیح کے ساتھ عربی لہجہ میں پڑھنے کےوہ محرک اول واعظم تھے،میرے سن شعور کے اس پاس انہوں نے قرآنی مسابقات کاسلسلہ جاری کیا،ہمارے لوگ ابتداء میں اس تجربے سے نااشنا تھے، کچھ حلقوں کی جانب سے مخالفت بھی ہوئی؛لیکن رفتہ رفتہ ایک ماحول بنتا گیا۔

وہ اسلامی ہدایات اوراکابر کے طرز پر گامزن رہتے ہوئے نظام تعلیم وتربیت میں تجدید وتحسین وتزئین کے قائل تھے،ان کے یہاں عرب قراء کی آمد ورفت بھی ہوتی رہتی ، جن سے اساتذہ و طلبہ استفادہ کرتے،سن 2019مین راقم کا اکل کوا جانا ہوا یہ دیکھ کر خوشگوار حیرانی ہوئی کہ صرف تصحیح اور حفظ میں داخل طلبہ کی تعداد 4000ہزار تھی ، جن میں بہت سے طلبہ نے اپنے ہاتھ سے مکمل قرآن پاک کی کتابت کی سعادت حاصل کی تھی_

اللہ تعالی اس عظیم خادم القرآن کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے _

محمد اشرف علی محمد پوری (5/5/2025

مولانا غلام محمد وستانوی (ایسے شاگرد اور کہاں؟) بقلم :- مولانا ناصرالدین مظاہری

کئی سال پہلے ایک دن حضرت مولانا محمدسعیدی مدظلہ ناظم مظاہرعلوم وقف سہارنپور نے مجھے بلایا اور ایک خط دیا ، یہ خط حضرت مولانا غلام محمد وستانوی کا تحریر فرمودہ تھا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت وستانوی نےحضرت مولانا مفتی محمد یحی حضرت مولانامفتی مظفر حسین حضرت مولاناشیخ محمد یونس جونپوری وغیرہ اپنے کئی اساتذہ کے بارے میں پوچھا تھا کہ ان حضرات نےمظاہرعلوم میں ملازمت کے دوران مجموعی طور پر کتنی تنخواہ لی ہے؟ مولانا کا ارادہ اپنے ان اساتذہ کی تنخواہوں کی واپسی کا تھا ، چونکہ پہلے یہ تمام حضرات قدیم مظاہرعلوم وقف سہارنپور میں پڑھاتے تھے دارجدید تو بعد میں الگ ہوا تھا (جس کے پہلے ناظم حضرت مفتی عبدالعزیز تھے،ان کے بعد حضرت مولانا محمد اللہ بعدہ حضرت مولانا محمد سلمان اور پھر حضرت مولاناسید محمد عاقل صاحب مسند نظامت پر فائز رہے)۔
چونکہ مدرسہ کی تمام قدیم عمارات ، مساجد ، درسگاہیں اور ہر قسم کا ریکارڈ مظاہرعلوم وقف سہارنپورمیں موجود و محفوظ ہے(حتی کہ درج بالا تمام حضرات کا تعلیمی ریکارڈ بھی قدیم ادارے میں ہی ہے) اس لئے حضرت مولانا غلام محمد وستانوی نے مولانا محمد سعیدی سے گزارش کی کہ ان کے دورۂ حدیث کے اساتذہ کی مجموعی تنخواہ بتائی جائے۔حضرت ناظم صاحب نےمجھے بھی اس خدمت میں شامل فرمایا اور کئی دیگرحضرات بھی شامل رہے قدیم ریکارڈ ، قبض الوصول ، روزناپچے ، رودادیں، سروس بک وغیرہ مختلف رجسٹروں کو کھنگالا گیا یہاں تک کہ تقریبا سبھی حضرات کی تنخواہیں الگ الگ یکجا کی گئیں۔
مظاہر علوم میں پہلے تنخواہیں بہت معمولی تھیں اس لئے تمام تنخواہوں کا ٹوٹل بمشکل

سات ہندسوں تک پہنچ سکا۔بہرحال یہ رقم حضرت مولاناغلام محمدوستانوی نےاپنے چھوٹے بیٹے کے ذریعہ آدھی آدھی دونوں جگہ دفتر مالیات میں جمع کرائی۔فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔
حضرت مولاناغلام محمدوستانوی کی تمام خوبیاں لکھی جائیں تو کئی رجسٹر بھر سکتے ہیں تاہم ان کا سب سے بڑا کارنامہ ان کا اپنا ادارہ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا ہے جہاں بیسیوں ہزار طلبہ پڑھتے ہیں سناہے کہ صرف درجات حفظ میں زیرتعلیم طلبہ کی تعداد بھی تقریبا پانچ ہزار ہے۔اندازہ کریں دیگر شعبوں ، درجوں، کلیات ، تخصصات میں کتنے بچے پڑھتے ہوں گے۔
میں اکل کوا نہیں گیالیکن جن لوگوں نے وہاں کا نظام دیکھا ہے نصاب دیکھا ہے ترتیب دیکھی ہے تنظیم دیکھی ہے اساتذہ کی محنتیں دیکھی ہیں طلبہ کی لگن دیکھی ہے، انتظامیہ کی دھن اوراسٹاف کی محنت دیکھی ہےوہ سب بیک زبان گواہی دیتےنظرآتے ہیں تعریف میں رطب اللسان نظرآتے ہیں،مولانا نےقرآن کریم کے جگہ جگہ پورے ملک میں انعامی مسابقے اسی لئےشروع کئے تاکہ قرآن کریم صحیح طور پر پڑھناآجائے ، مدارس میں تجوید کا ماحول بن جائے۔نمازیں حسن ترتیل سے مزین ہوجائیں ، اذانوں کی رس گھولتی آواز اپنا اثر چھوڑ جائے، مجودین اللہ کے کلام پاک کی ترتیل و قراءت کا حق ادا کرسکیں،
اقرؤا القرآن بلحون العرب پر عمل ہوسکے۔زینوا القرآن باصواتکم پر حتی المقدور سبھی حضرات کوشاں ہوسکیں،چنانچہ یہ نظام بڑھااور بڑھتا چلا گیا ، پھیلا اور پھیلتا چلا گیا، چمکا اور چمکتا چلا گیا،ماحول میں نکھار پیدا ہوگیا اورآج ملک کے چپہ چپہ پر جہاں جہاں یہ کوششیں پہنچیں وہاں اذانیں اور نمازیں صحیح مخارج کے ساتھ اد کی جانے لگیں اور جہاں یہ سرگرمیاں نہیں پہنچ سکیں وہاں اب بھی اذان ، قرآن اورنماز سمیت قرآن کریم سے

مکمل زیادتی ہورہی ہے۔ مجھے لگتا ہے یہ سلسلہ سب سے پہلے تو محی السنہ حضرت مولانا ابرارالحق ہردوئی نے شروع کیا تھا پھر مزید بڑے پیمانے پر حضرت وستانوی نے شروع کیا اوراب اللہ کی ذات سے امید یہی ہے کہ وہ اس سلسلہ کو زندہ رکھنے کے لئے غیب سے دیگر افراد کو پیدا فرمائے گا۔

دارالعلوم دیوبند کے دو رکن شوری یعنی حضرت مولانا محمد عاقل صاحب اور پھر حضرت مولانا محمد عاقل صاحب کے شاگرد رشید حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب یکے بعد دیگرے چند دن کے وقفہ سے رخصت ہوگئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگرحضرت مولانا وستانوی نے اپنے زمانہ حیات میں اپنے لائق فائق صاحب زادے مولانا محمد حذیفہ وستانوی کو کارنظامت اور بار نظامت سپرد کرکے صحیح جانشین تیار نہ کردیا ہوتا تو واقعی بڑی تشویش اور فکر کی بات ہوتی لیکن مقام شکرہے کہ جامعہ اشاعت العلوم کو بہترین منتظم، لائق فائق عالم، شاندار اردو و عربی ادیب اور جہاندیدہ و بالغ نظر ناظم ملا ہوا ہے اور ہم اس متاع گرانمایہ پر حضرت حق جل مجدہ کے شکر گزار ہیں۔

(چھ ذوالقعدہ چودہ سو چھیالیس ہجری)

موت ہو ایسی کہ زمانہ دیر تک ماتم کرے، مولانا الطاف مدھوبنی اشاعتی

کبھی کبھی کوئی ہستی اتنی عظیم ہوتی ہے کہ وہ صرف جیتی نہیں، بلکہ قوم کے دلوں میں دھڑکتی ہے۔ اور جب وہ رخصت ہوتی ہے، تو نہ صرف زمین پر، بلکہ دلوں میں بھی زلزلہ آجاتا ہے۔

مولانا غلام محمد وستانویؒ کا جانا ایک ایسازلزلہ تھا، جس نے مدارس کے در و دیوار ہلا دیے، مکاتب کو خاموش کر دیا، منبروں کو ساکت کر دیا، اور لاکھوں آنکھوں کو اشکبار کر دیا۔

اور غم کی وہ گھڑی... جو شاید صدیوں میں آتی ہے۔ یوں محسوس ہوا

۴ مئی ۲۰۲۵ء... دنیا ایک بار پھر خالی ہو گئی...

اک چراغ بجھ گیا،

اک صدا خاموش ہو گئی،

اک سایہ اٹھ گیا،

اک دل سب دلوں سے رخصت ہو گیا...

خبر سن کر دل ایسا دھڑکا جیسے کسی نے اسے نوچ لیا ہو—

ہونٹوں پر کپکپی، آنکھوں میں طوفان،

ہر سانس بوجھ بن گئی،

ہر لمحہ قیامت بن گیا...

یہ وہ منظر تھا جو ہمیں یاد دلاتا ہے جس دن رسولِ اکرم ﷺ کا وصال ہوا۔

جب مسجد نبوی ساکت تھی،

جب آسمان بھی رویا،
جب صدیق اکبرؓ کی زبان سے نکلا:

"مَن كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَقَدْ مَاتَ مُحَمَّدٌ"

اور آج ہم بھی یہی کہہ رہے ہیں:

"مَن كَانَ يَعِيشُ فِي نُورِ وَسْتَانَوِي فَقَدْ انْطَفَأَ ذٰلِكَ النُّورُ"

مولانا وستانویؒ کا وجود اکل کوا کی گلیوں سے اٹھا، مگر وہ نظریہ، عزم اور وژن بن گیا۔
جہاں تعلیم ہو، وہاں ان کی خوشبو ہے،
جہاں دین ہو، وہاں ان کا نقشِ قدم،
جہاں انسانیت ہو، وہاں ان کی آہٹ۔
ان کے ہاتھوں سے علم کے ہزاروں چراغ روشن ہوئے،
ان کے الفاظ نے لاکھوں دلوں کو جگایا،
ان کی نگاہوں نے نسلوں کی تقدیر بدل دی۔
وہ صرف معلم نہیں تھے، رہبر تھے، مرشد تھے، درد کی زبان تھے۔
آج یوٹیوب پر ویڈیوز کی بھرمار ہے،
واٹس ایپ پر اسٹیٹس بدلتے ہیں،
مگر ہر جگہ ایک ہی آواز ہے:
مولانا وستانویؒ... ہم یتیم ہو گئے۔
ہر مسجد میں سجدے لرز گئے،
ہر مدرسے میں خاموشی چیخ اٹھی،

ہر استاد نے روتے ہوئے درس دیا،
اور ہر شاگرد نے اپنی کاپی پر آنسو بہائے۔
اے قبر کے مکین! تُو جا چکا، مگر تُو زندہ ہے۔
ہم جانتے ہیں، تُو اب ہمارے بیچ نہیں،
مگر...
تیرے خواب ہم دیکھیں گے،
تیری جدوجہد ہم بڑھائیں گے،
تیرا علم ہم سنبھالیں گے،
تیری روشنی ہم پہنچائیں گے۔
تو جس راہ پر چلا، ہم بھی اسی راہ کے مسافر ہوں گے۔
تو جس چراغ کو روشن کر گیا، ہم اسے بجھنے نہ دیں گے۔
بس ایک دعا ہے رب سے:
زندگی ایسی کہ امت کو نفع دے،
موت ایسی کہ زمانہ دیر تک ماتم کرے۔
اے اللہ! وہ چراغ تو بجھ گیا،
پر اس کی روشنی باقی رکھ،
اس کی محنت کو جاری رکھ،
اس کے نام کو عزت دے،
اس کی قبر کو جنت کا باغ بنا دے۔۔۔آمین یا رب العالمین۔

تعزیتی پیغات : بنام مولانا شاہد ظفر قاسمی

بقلم :- پاسبانی احباب

آج (29 مئی 2025 بروز جمعرات) پاسبان علم و ادب کے مؤقر ممبر مولانا شاہد ظفر قاسمی صاحب حمزہ پوری کی جواں سال صاحبزادی کا بچے کی ولادت کے بعد انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون ، (**حنیفہ مرحومہ** مدرسہ دار ارقم للبنات ڈکہا جون پور کی سابقہ معلمہ بھی رہ چکی ہیں) یہ دکھ کی خبر سن کرپورا پاسبان غم و الم میں ڈوب گیا اس غم کے موقع پر اہل پاسبان نے غمزدہ والد مولانا شاہد صاحب کے نام جو تسلی بخش کلمات تحریری شکل میں پیش کیں وہ قارئین کے لیے پیش خدمت ہے۔

مولانا محمد اکرم خان قاسمی جونپوری

(1) إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعونَ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے،اور ہر آنے والا اس دارفانی سےایک دن رخصت ہوتاہے۔مگرکچھ جدائیاں ایسی ہوتی ہیں کہ دل کو صبر کا دامن تھامےرکھنا دشوار ہو جاتاہے، آنکھیں آنسو بہانےسے باز نہیں آتیں، اور زبان پر صرف یہی الفاظ رہ جاتے ہیں: "یا اللہ، یہ تیرا فیصلہ ہے، اور تیرا ہر فیصلہ بہتر ہے۔"
آج دل ایک نہایت ہی رنج والم سے بھری خبرسے بوجھل ہے۔ ایک ماں، جس نے چند دن پہلے ہی زندگی کو ایک نئی شکل دی، اپنےوجود کے ایک ٹکڑے کو اس دنیا میں لانے کی تکلیفیں جھیلیں، ماں کہلانے کی خوشی پائی بھی نہ تھی کہ اجل نے اُسے آ لیا۔ یہ وہ لمحہ ہے جہاں الفاظ بھی تعزیت کے لیے کم پڑ جاتے ہیں، اور جذبات صرف آنکھوں کی نمی سے اپنا اظہار کرتے ہیں۔

اس عظیم صدمے پر دل بھر آیا ہے۔ ایک نو مولود بچہ جس کی دنیا ابھی روشنیوں سے آشنا بھی نہ ہوئی تھی، وہ اپنی ماں کے لمس، لوریاں، اور آغوشِ محبت سے محروم ہو گیا۔ یہ فطرت کی وہ خاموشی ہے جو انسان کے بس کی بات نہیں۔ مگر ہمارا ایمان ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ ہم صبر کریں، اللہ کی رضا پر راضی رہیں، اور اس کی رحمت سے امید رکھیں۔

دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت مرحومہ کی مغفرت فرمائے، اس کی قبر کو نور سے بھر دے، اسے اپنی خاص رحمت کی پناہ میں جگہ دے، اور اس کے بچے کو ماں جیسی محبت، شفقت اور حفاظت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر، ہمت اور حوصلہ عطا کرے، اور انہیں اس ناقابلِ بیان دکھ کو برداشت کرنے کی توفیق دے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو بھی سکون عطا فرمائے، اور اس دکھ کو آپ کے لیے سببِ قربِ الٰہی بنا دے۔

مولانا امداد اللہ امیر الدین مئو

(2) بہت ہی افسوسناک خبر ہے ابھی دو روز پہلے نواسے کی پیدائش ہوئی تھی کل تک زچہ بچہ دونوں بخیر و عافیت تھے اچانک آج صبح مولانا نے یہ خبر دیا کہ ان کی بیٹی (حنیفہ مرحومہ) جو مدرسہ دار ارقم للبنات ڈکھا جون پور کی سابقہ معلمہ بھی رہ چکی ہیں اپنے نومولود بیٹے اور اعزہ اقارب کو چھوڑ کر انتقال کرگئیں انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے

مولانا محمد خالد ڈکھا

(3) بہت افسوسناک حادثہ ہے
اللہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے شہادت کے درجہ پر فائز فرمائے
بچی کی بہتر کفالت کی سبیل پیدا فرمائے
اہل خانہ کو صبر جمیل بخشے ۔
جواں سال بیٹی کا یوں اچانک دنیا سے چلے جانا اور وہ بھی نوزائیدہ کو چھوڑکر
بڑا تکلیف دہ مرحلہ ہے ۔
بس اللہ ہی صبر دینے والا ہے ۔
انا للہ وانا الیہ راجعون

ڈاکٹر ارشد قاسمی

(4) انا للہ وانا الیہ راجعون
انتہائی غم ناک اور دہلا دینے والا واقعہ ہے یقیناوالدین کے لیے بیٹی کی جدائگی اور اس حال میں کہ ایک معصوم مہمان کی امد ہوئی تھی وہ بھی بن ماں کا رہ گیا جہاں بیٹی کی جدائی والدین کے لیے صدمے کا باعث ہے وہیں نومولود کے حق میں انتہائی غم ناک واقعہ ہے
اللہ تعالی آپ کی بیٹی کی بال بال مغفرت فرمائیں کروٹ کروٹ سکون بخشیں
شادی کہاں ہوئ تھی

مولانا وسیم احمد شیروانی

(5) انا للہ وانا الیہ راجعون
اللہ رب العالمین بال بال مغفرت فرمائیں
درجات بلند فرمائیں
قبر کو روضۃ من ریاض الجنہ بنائیں
آخرت کے تمام مراحل آسان بنائیں
بغیر حساب وکتاب کے جنت الفردوس میں اعلی مقام مرحمت فرمائیں
نومولود کی کفالت ، تعلیم وتربیت کا بہترین انتظام فرمائیں
تمام متعلقین بالخصوص مرحومہ کے والدین اور شوہر کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرماکر اجر عظیم کا مستحق بنائیں
اور ہم سب کو آخرت کی تیاری کی فکر عطا فرمائیں

مولانا معراج احمد قاسمی

(6) بڑے دکھ اور صدمے کا حادثہ ہے
اللہ تعالٰی مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے
جنت الفردوس میں اعلٰی مقام نصیب فرمائے
مولانا شاہد ظفر قاسمی صاحب کو اور دیگر پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے
نومولود کو صحت و تندرستی عطا فرمائے
اس کی پرورش و پرداخت میں سہولت و آسانی پیدا فرمائے
آمین یارب العالمین

مفتی عبداللہ قاسمی

تعارف کتاب : کچھ یاد رہا کچھ بھول گیا

بقلم :- مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

نام کتاب : کچھ یاد رہا کچھ بھول گیا صفحات : ۲۴۸
مولف:مولاناعبدالعلی فاروقی(فاضل دیوبند مہتمم دارالعلوم فاروقیہ وایڈیٹرماہنامہ البدر کاکوری)
ناشر: مکتبہ البدر، کاکوری، لکھنؤ انڈیا۔ قیمت : ۳۰۰

زیر نظر کتاب مصنف کی حیات مستعار کے مختلف گوشوں سے متعلق یادداشتیں ہیں، جن کو وہ مختلف اوقات میں اپنے رسالہ ” البدر “ کے لئے قلم بند کرتے رہے ، جس کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا کہ وہ اپنے گھروالوں بالخصوص گھر کے بچوں کی تربیت اور دل بستگی کے لئے اپنے واقعات زندگی اور اس سے حاصل ہونے والے تجربات کو بیان کرتے تاکہ وہ اس سے کچھ سیکھیں اوراپنی آئندہ زندگی میں فائدہ اٹھائیں ۔ ان واقعات کو سننے والوں نے اسے قلم بند کرنے کا مطالبہ کیا تاکہ اس کی افادیت عام ہو۔ اولاً تو مولانا نے انکار کیا لیکن جب اصرار بڑھا تو یاد آنے والوں واقعات کو لکھنا شروع کیا، جب ان کی ایک معتدبہ مقدار ہوگئی تو اسے مرتب کرکے کتابی شکل میں” یادوں کے جھروکوں سے “ کے نام سے شائع کیاجسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا، پڑھنے والوں نے جب اسے مزید مکمل کرنے کا مطالبہ کیا تو مولانا نے از سر نواپنی یادداشتوں کو کھنگالنا شروع کیا اور اپنی حیات مستعار کے مختلف گوشوں کو ماہنامہ البدر میں شائع کرنا شروع اور اب وہی یادداشتیں مزید اضافے اور ترتیب نو کے ساتھ ہمارے سامنے ہیں ،کتاب کا آغاز مصنف کے ابتدائیہ سے ہوتا ہے جس کا عنوان ہے ” کیا ہے اس کتاب میں ؟ چل مرے خامہ بسم اللہ“

یہ کتاب کیا ہے ؟مولانا اس ابتدائیہ میں لکھتے ہیں :

" پیش نظر کتاب" نہ مکمل آپ بیتی " ہے نہ اس میں " آپ بیتی "کے تمام اصولوں کی رعایت ہے.......یہ تو بس اپنی سات دہائی سے اوپر کی زندگی کے بکھرے ہوئے واقعات کا ایک غیر منظم بیان ہے اور اس کا سلسلہ بھی بڑے عجیب وغریب انداز میں غیر ارادی طور پر شروع ہوگیا۔"(ص: ۸)

اس سلسلہ کی کسی قدر تفصیل مندرجہ بالا سطروں میں آگئی ہے۔

اس کے بعددارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سنبھلی مدظلہ کی تقریظ معتبر ہے، پھر معروف صحافی وادیب احمد ابراہیم علوی کی دلچسپ تحریر " ایک میاں پوت ادیب " ہے۔

کتاب تین مرکزی ابواب پر مشتمل ہے ، پہلا باب " میری کارگاہِ رنگارنگ ۔۔ دارالعلوم فاروقیہ " ہے ۔جہاں سے مصنف کی علمی و عملی اورتدریسی زندگی کا آغاز ہوا،جہاں یہ ایک حقیقت ہے کہ اس ادارہ کی بنیادوں میں اپنے والد ماجد کے ساتھ ان کا جون جگر بھی شامل ہے ، وہیں اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی علمی وقلمی ترقیات میں اس ادارہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد شوال ۱۳۹۰ھ [دسمبر ۱۹۷۰ء] میں دارالعلوم فاروقیہ میں مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوتے ہیں ، وہ دن ہے اور آج کا دن،بغیر کسی انقطاع کے مسلسل ۵۷، سال سے علمی فیض رسانیوں میں مصروف ہیں ۔ یہ کتاب روایتی آپ بیتیوں سے ہٹ کر ہے اس لئے ابتداء حیات کے بجائے تدریس سے اس کا آغاز ہوتا ہے ، اس کے بعد جہاں جو یاد آتا گیا سپرد قلم ہوتا ہوگیا۔ اس پہلے باب کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انسان چاہے جو کچھ بھی کرلے مگر تقدیر کا فیصلہ تمام تدبیروں

پر غالب آکر رہتا ہے، مصنف کا عالم دین ہونا اس تقدیری فیصلے کی کھلی ہوئی شہادت ہے، انھوں نے اپنے اعتبار سے پوری کوشش کی کہ وہ جدید تعلیم حاصل کرکے کسی یونیورسٹی کے پروفیسر بن جائیں ، لیکن جد محترم اور والد ماجد کی تڑپ اور دعائیں ان کو اسی قدیم خاندانی راہ پر لے آئیں ۔

اس باب کے شروع میں مصنف نے اپنی ابتدائی تعلیم کی سرگزشت بھی سنائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسوخ علم کے لئے رحلت اور سفر لازم ہے، اس لئے کہ وہ جب تک اپنے گھر کے مدرسہ میں رہے بقول ان کے بس وقت گزاری ہی ہوئی ، جب ان کو جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ میں داخل کرایا گیا تو وہاں ان کا حقیقی علمی سفر شروع ہوا ، جس کی دلچسپ اور سبق آموز داستان" زندگی کا ایک انقلابی موڑ " کے عنوان سے کتاب میں موجود ہے، مصنف کی صاف گوئی کی داد دینی چاہئے کہ جب وہ نور العلوم پہنچے اور ان کے استاذ نے مختصر المعانی کی عبارت پڑھنے کا حکم دیا تو انھوں نے اس کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے :

" اس حکم کو سنتے ہی مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی اور میرا چہرہ فق ہوگیا ، کیوں کہ مجھے اس وقت تک یہ بھی یاد نہ تھا کہ کسی جملہ کی ترکیب کیسے ہوتی ہے ؟ جملہ خبریہ وجملہ انشائیہ میں کیا فرق ہوتا ہے ؟ جملہ اسمیہ کا ترجمہ کیسے کیا جاتا ہے اور جملہ فعلیہ خبریہ کا کیسے؟ حتیٰ کہ جملوں کے اجزائے ترکیبی ، مبتدا، خبر ،فعل فاعل اور مفعول وغیرہ کی بھی صحیح طور پر شناخت نہیں کرسکتا تھا۔"(ص:۲۴)

اس قدر صاف گوئی بڑے جگر گردے کا کام ہے،آفریں ہے مصنف کے استاذ حضرت مولانا سلامت اللہ بیگ پر کہ انھوں نے اس نازک موقع پر جس حسن تربیت کا ثبوت پیش کیا

اس نے مصنف کو ایک ” نئی دنیا “ میں پہنچادیا، یہ واقعہ ہمارے اساتذہ کے لئے مشعل راہ ہے کہ ایک برگشتہ طالب علم کو کیسے درست راہ پر لگایا جاتا ہے۔استاذ نے ان کے بارے میں جن بلند خیالات کا اظہارکیا اس نے ان کو مہمیز کیا کہ استاذ کی توقعات پر پورا اترنے کے لئے ہر ممکن جدوجہد اور سعی وکاوش کرنی ہے، یہیں سے ان کی تعلیمی زندگی کا رخ بدلتا ہے اورمحنت وکوشش کا ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کی سہ سالہ زندگی میں بھی ہمیشہ نیک نام اور کامران رہے۔ عصری تعلیم کا جو خواب انھوں نے دیکھا تھا فراغت کے بعد بھی اس کی تعبیر کی تلاش میں مسلسل سرگرداں رہے جس کے نتیجہ میں ڈبل ایم اے (اردو وعربی) کیا اوراسی کے ساتھ انگریزی زبان وادب پر بھی کافی دسترس حاصل کرلی۔ اس اعتبار سے مولانا فاروقی مدظلہ کی زندگی آج کے طلبہ کے لئے مشعل راہ ہے کہ وہ اگر چاہیں تو اپنی تعلیمی وتدریسی مصروفیات کے ساتھ عصری علوم میں بھی مہارت حاصل کرسکتے ہیں لیکن اس کے لئے جہد مسلسل شرط ہے۔

اس باب کا ایک عنوان ہے ” نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں “ [ص: ۳۱] نہایت موثر اور” از دل خیزد بر دل ریزد“کا مصداق! اسے پڑھ کر آنکھیں نم ہوجاتی ہیں کہ ایک مخلص باپ نے ظاہری چمک دمک اور دنیاوی ترقیات کو پس پشت ڈال کر اپنے بیٹے کو براہ راست تدریس اورخدمت دین پر لگایا اور پورے یقین وتوکل کے ساتھ کہا کہ:

” جاؤ بیٹے! اگر تمہارا یہ حتمی فیصلہ ہے تو ان شاء اللہ اس فیصلے پر تم کو کبھی پچھتانا نہیں پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ اور اس سے بڑھ کر تم کو اسی مدرسہ کی ملازمت اور وابستگی سے دے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے ہو۔“(ص:۳۲)

پھر دنیا نے دیکھا کہ اس مرد درویش کی کہی ہوئی بات اپنے بیٹے کے حق میں کس طرح

پوری ہوئی اور اب تک ہورہی ہے۔

اس باب میں دارالعلوم فاروقیہ کی تدریسی زندگی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کی بھی بہت سی یادوں کو بھی قلم بند کیا گیا ہے ،وہاں کے ناقابل فراموش اساتذہ کی شفقت ومحبت اور تعلیم وتربیت کے واقعات بھی شامل کتاب ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دارالعلوم فاروقیہ کے ابتدائی اساتذہ میں بیشتر ہمارے علاقہ اعظم گڑھ سے تعلق رکھتے تھے اور ان میں بہت سے لوگ سے آج اپنی جگہ آفتاب وماہتاب ہیں۔یہیں سے ماہنامہ البدر کا اجراء ہوا جوآج اپنی عمرکے اڑتالیس سال پورا کرچکا ہے اور اسی کی برکت سے یہ اور جیسی متعدد کتابیں منظر عام پر آئیں ۔ اس رسالہ نے بہت سے اہل علم کو صاحب قلم بنادیا، یہاں کی ہفتہ وارعلمی وادبی مجالس نےبہتوں شاعروخطیب بنادیا۔اسکی دلچسپ داستان مصنف نے " ہماری حصولیابیاں " کے عنوان سے بیان کی ہے۔اس باب کا اہم عنوان "دارالعلوم فاروقیہ کی بنا کا اصل جوہراور اس کی برکتیں"ہے ، جس میں مدرسہ کے قیام کی وجہ ، اور اس کی فیض رسانیوں وحصولیابیوں کا تذکرہ ہے۔

کتاب کا دوسرا باب ہے " جاری ہے زندگی کا سفر"۔اس میں مولانا فاروقی نے اپنے متعدد واقعات وتجربات کا ذکر کیا ہے ،اور"ناقابل فراموش شخصیتیں " کے عنوان سے اپنے والد ماجد ، مولانا قاری صدیق احمد باندوی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ، مولانا محمد سالم صاحب قاسمی اور دیگر متعلقین واعزا کا ذکر خیر کیا ہے۔

تیسرا باب " تجربات زندگی " ہے۔ جب مولانا ماہنامہ البدر میں اپنی ان سوانحی یادداشتوں کو کررہے تھے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ مکمل آپ بیتی لکھ دیں ، تو انھوں نے اس سے معذرت کی ، میں نے کہا کہ آپ کی عملی زندگی پر نصف صدی پوری ہوچکی ہے،اس

عرصہ میں آپ مختلف مراحل اور تجربات سے گزرے ہوں گے،تو کم ازکم اپنے تجربات زندگی ہی کو قلم بند کردیں جو ہم جیسے لوگوں کے لئے شمع راہ ہوں ۔ اس پر مولانا نے کہا کہ ٹھیک میں ان شاء اللہ اس کو لکھتا ہوں ۔

یہ اس کتاب کا اہم ترین باب ہے، مولانا لکھتے ہیں:

........میں تجربات زندگی کے بیان کو صدقہ جاریہ کے زمرہ میں شمار کرتا ہوں کہ بیان کرنے والا تو اپنے تجربات زندگی بیان کر کے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، مگر اسکے بیان کردہ تجربات نہ جانے کتنے لوگوں کے لئے رہنمائی کا کام کرتے رہتے ہیں۔ اور انکے دلوں سےاپنے تجربات زندگی بیان کرنےوالے کے لئے دعائیں نکلتی رہتی ہیں؟۔میری رائے بھی ہے اورسفارش بھی کہ جو لوگ اپنے تجربات زندگی کسی بھی انداز میں بیان کرنے کا سلیقہ رکھتے ہوں، انہیں اپنے ، اور مخلوق خدا کے نفع کے لئے اپنے تجربات زندگی ضرور بیان کر دینا چاہیے۔

خود مجھے بھی " ایک دوست نما "بھتیجہ کہلانے والے مولانا ضیاء الحق خیر آبادی کے توجہ دلانے پر اس کا خیال آیا کہ مجھے بھی اپنے " تجربات زندگی ضرور بیان کر دینا چاہیے ۔ اس لئے ذیل میں اپنے ان خیر خواہ کے شکریہ کے ساتھ کچھ یاد رہ جانے والے اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر یہ دو ہرا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ تحریر کی "بے رونقی "کے بجائے نفس مضمون پر جو لوگ توجہ کریں گے۔ انہیں ان شاء اللہ ضرور نفع ہوگا۔(ص:۱۴۲)

اس باب میں مولانا نے والد ماجد کے جو اقوال وتجربات نقل کئے ہیں وہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح اس کےدو عناوین " اپنی شناخت نہ چھپاؤ"اور " نماز جگہ دلواتی ہے

اور عزت بڑھاتی ہے ""بطور خاص طلبۂ مدارس کے لئے لائق مطالعہ ہیں، اسے بار بار پڑھنا چاہیئے اور اس پر عمل کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔

مولانا نے کتاب کا نام " کیا یاد رہا ،کیا بھول گیا ؟ رکھ کر اپنے لئے بچاؤ کی ایک معقول صورت نکال لی ، کہ جن کا ذکر نہ آسکے وہ " کیا بھول گیا " کے کھاتے میں چلا جائے۔

کتاب کا ایک عنوان ' ہے'کیا یاد رہا؟ ایک مثال"۔ اس میں مولانا نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے شرف ملاقات کا شاندارنقشہ کھینچا ہے، اس ملاقات پر ۶۸،سال سے زیادہ کا عرصہ گزرچکا ہے، اس کے باوجود اس کی تمام جزئیات کا یاد رہ جانا کمال حافظہ کی دلیل ہے۔

اس عنوان کے تحت مولانا نے اپنے خاندانی بزرگوں کے حالات بھی لکھے ہیں ، اس گفتگو میں خاندانی شجرہ نسب کا ذکر آگیا تو انھوں نے ہندوستانی شجرہ ہائے نسب کے بارے میں بڑی چبھتی ہوئی اور سچی باتیں لکھی ہیں ،اس کے اختتام پر لکھتے ہیں:

۔۔اس سلسلہ میں اونچ نیچ کے پیمانے بھی بہت ہی عجیب و غریب ، نیز غیر شرعی و غیر عقلی علتوں کے ساتھ اس اہتمام و شدت کے ساتھ وضع کر لئے گئے ہیں کہ عام سماجی حیثیت سے لے کر شادی بیاہ تک میں ان کا لحاظ کیا جاتا ہے؟۔

یعنی موجودہ صورت حال کے پیش نظر یہ کہاجاسکتاہے کہ عجمیوں کے یہاں " نسبی کفاءت"کا شدت کے ساتھ اعتبار و اہتمام کیا جاتا ہے، جب کہ عربوں کے یہاں اس کا کوئی ذکر و چر چابھی نہیں ہوتا۔چنانچہ ہمارے ملک میں تو لاکھوں، کروڑوں سید صدیقی، فاروقی ، عثمانی، علوی ، عباسی، سلمانی، انصاری ، منصوری اور قریشی وغیرہ جیسی نسبتوں سے اپنی نسبی حیثیت بیان کرنے والے مل جائیں گے، لیکن عربی ممالک میں ایسی کسی نسبی حیثیت کوبیان کرنے

اور اس کا اظہار کرنے والا ڈھونڈھنے سے بھی کوئی نہیں ملے گا ؟
بالفاظ دیگر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور ان کے خلفائے راشدین سے لے کر تمام اکابر صحابہ کی تمام اولاد و احفاد ہمارے ہندوستان اور اس جیسے چند دیگر عجمی ملکوں ہی میں منتقل ہو گئیں اور عرب کے ساتھ ہی دیگر ایشیائی ، افریقی ، اور یوروپی ممالک میں ان کی کوئی ایسی شاخ بھی باقی نہیں رہ گئی جن کے سہارے وہ لوگ بھی اپنے آپ کو سادات و شیوخ وغیرہ وغیرہ میں شمار کرا سکتے ؟۔
بات ذرا دور نکل گئی ، اور ایک درد تھا جو موقع ملتے ہی چھلک پڑا؟۔(ص:۱۷۱)
اس باب میں مولانا نے اپنے والد کے نکاح اول کا ذکر کیا ہے جو ان کے بڑے دادا امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی کی صاحبزادی سے ہوا تھا ، واقعی یہ نکاح أعظم ا لنکاح برکۃ أیسرہ مؤنۃ کا مصداق تھا۔ کاش کہ عصر حاضرکے رہنمایان ملت ومقتدایان قوم اسے اسوہ بناتے اور عام کرتے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ مولانا کے دادا مولانا عبد الرحیم صاحب کی چھ لڑکیاں اور ایک لڑکے مولانا عبد الحلیم صاحب تھے اور بڑے دادا امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب کےچھ لڑکے اور یہی ایک صاحبزادی تھیں، ان دونوں بھائیوں نے چاہا کہ اپنے اکلوتے صاحبزادے اور صاحبزادی کا نکاح آپس کرکے رشتہ کا تسلسل باقی رکھا جائے ، لیکن پہلے ہی بچہ کی ولادت کے مرحلہ میں ان کا انتقال ہوگیا۔
اسی باب میں مولانا نے اپنے حفظ قرآن کریم شروع کرنے کی داستان اور داداجان کی اس سلسلہ میں دلچسپی اورشوق کا ذکر کیا ہے۔دارالمبلغین کےاساتذہ میں مولانا قاری محمد صدیق صاحب کی غیر معمولی تدریسی وخطابی صلاحیت کا خصوصی طور پرذکر کیا ہے۔مولانا کا آبائی وطن اور جائے ولادت کاکوری ہے،لیکن آپکے بقیہ بھائی بہن سب لکھنؤ میں پیدا ہوئے ،

اس وقت ان کے والد نے لکھنؤ میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ اس باب میں اس عہد کے لکھنؤ کے ماحول ومعاشرت کاذکر بھی ہے اور مولانا نے گھومنے پھرنے کے سلسلہ میں اپنی افتاد طبع کو بھی بیان کیا ہے۔اس باب کے خاتمہ پر مدرسہ مفتاح العلوم مئو کی طالب علمی کے ضمن میں میرے وطن خیرآباد کا بھی ذکر کیا ہے ، جس میں میرے عم مکرم مولانا عبدالحہ مفتاحی اور مولانا ڈاکٹر زین الحق ومولانا زبیر احمد کا ذکر خیر ہے، اس میں مولانا نے لکھا ہے کہ مولانا زبیر صاحب مولانا عبد الحہ صاحب کے بھانجے ہیں ، یہاں بات الٹ گئی ہے، بھانجے مولانا زبیر صاحب نہیں بلکہ مولانا عبدالحہ ہیں ، مولانا زبیر ان کےماموں تھے۔

کتاب کے اخیر میں تین شخصیات پر تفصیلی مضمون ہے ۔ پہلا مضمون اپنے زمانہ کے مشہور وطلسماتی خطیب مولانا پالن حقانی پر ہے جس کا عنوان ہے " ایک طلسماتی شخصیت" جس میں بڑی تفصیل کے ساتھ مولانا نے ان کے احوال بیان کئے ہیں اور ان کی بیشتر معلومات براہ راست خود حقانی صاحب سے سنی ہوئی ہیں اور باقی ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہیں۔

دوسرامضمون " ایک بڑا خسارہ " ہے، جو انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا عبدالولی کی وفات پر لکھا تھا۔

تیسرا مضمون ہے" یہ بھی ہونا تھا ؟" جو ملک کے نامور عالم دین وخطیب اور مصنف کے تایازاد بھائی مولانا عبد العلیم فاروقی پر ہے،اس میں انھوں نے ان کے ساتھ رفاقت کی داستان کو بیان کیا ہے، اس میں دیوبند کی طالب علمی کے زمانہ میں ہونے والی مکاتبت کا تذکرہ کیا ہے، جس میں بعض خطوط اب بھی ان کے پاس محفوظ ہیں ،نمونہ کے طور کم از کم ایک خط تو دینا ہی چاہئے تھا۔

اسی پر یہ کتاب اختتام کو پہنچتی ہے، جس میں مصنف نے اپنی تلخ وشیریں یادوں ، حالات

زندگی اور تجربات زندگی کو بیان کیا ہے ، یہ واقعات وتجربات اپنے قاری کو بہت کچھ سبق اور نصیحت وموعظت دے جاتے ہیں کہ اگر وہ ان پر عمل کرے تو اس کی زندگی بہتر اور شاندار ہوجائے۔

مصنف کا شمار ملک کے مشاہیر علماء میں ہوتا ہے ، درس وتدریس، تقریر وخطابت اور تحریر وانشاء تینوں میدان میں ان کی خدمات کے روشن نقوش جا بجاموجود ہیں اس لئے ان کے تعارف کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

تبصرہ بر کتاب میرے والد میرے شیخ

بقلم: مولانا حنظلہ رازی گورکھپوری

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم،

میرے سامنے اسوقت ایک عظیم شخصیت کی اہم سوانح حیات بنام : مرشدِ امت حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ(میرے والد میرے شیخ) ہے، جس کے مؤلف ہیں آپ ہی کے جانشین و خلیفہ فرزند ارجمند حضرت مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی مدظلہم (مہتمم مدرسہ حلیمیہ ماہل اعظم گڑھ) _

اس سوانح کے تعارف میں جو باتیں آپ نے اپنے ابتدائیہ میں قلم بند فرمائی ہیں مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت اسی کا ایک مختصر حصہ پیش کردوں، ملاحظہ کیجیے؛

ندوی صاحب پیش گفتار میں لکھتے ہیں کہ :

راقم کے فرزندان جو الحمدللہ سبھی عالم فاضل ہیں، ان کا شدید اصرار ہوا کہ دادا جان (مرشدِ امت علیہ الرحمۃ) کی سوانح حیات جلد از جلد طبع ہوکر منظر عام پر آجائے تاکہ اولاد ہی نہیں بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو اور دیگر اہلِ علم کے لیے بھی اس سے افادہ ممکن ہو سکے_

نیز قلبی داعیہ بھی تھا کہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو جیسا میں نے دیکھا اور پایا، سفر وحضر میں جن اخلاق کریمانہ کا مشاہدہ ہوا، ان کو اور دیگر احوال و کوائف کو کتابی صورت میں محفوظ کردیا جائے _

اسی درمیان مفتی محمد حمزہ صاحب گورکھپوری مدظلہم(صدر دارالافتاء والِارشاد گورکھپور) اور انکے برادر خورد مولانا محمد معاویہ سعدی صاحب استاد حدیث مظاہرعلوم سہارنپور سے

ملاقات ہوئی ان دونوں حضرات نے جلد از جلد سوانح آجانے کی خواہش کا اظہار کیا اور طباعت سے متعلق انتہائی وقیع اورمفید مشورے بھی دیئے جس کی روشنی میں دشوار مراحل سے گزرنا آسان ہوگیا _

اسی طرح راقم کے لیے مولانا ابن الحسن صاحب قاسمی مہراج گنج (استاد عربی مدرسہ کلیمیہ کیمپیر گنج) کی ملاقات خضر راہ سے کم نہیں، یقیناً آپ کا قلمی تعاون اور مسودہ کی ترتیب جدید کی کاوش انتہائی وقیع ہے آپ اس لائن کے کامیاب شہسوار ہیں۔ **اللهم زدفزد** اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ والدین کی مغفرت فرماکر درجات بلند فرمائے، ان کے فیوض سے امت کو مالا مال فرمائے، اور اس کتاب کو قبولیت تامہ عطاء فرمائے، آمین ثم آمین یا رب العالمین

رابطہ کے لیے : حنظلہ رازی گورکھپوری
7388971835

حیاتِ ذیشان ایک تاثراتی تبصرہ

بقلم :- ڈاکٹر محمد ارشد قاسمی

ماہنامہ الماس کا خصوصی شمارہ "حیاتِ ذیشان"جب سے رسمِ اجرا کے بعد منظرِ عام پر آیا، دل بےقرار تھا کہ کب اس گلشنِ معطر کی سیر نصیب ہو۔مفتی ذیشان صاحبؒ کی ہمہ جہت شخصیت نےمیری زندگی کی تعمیر میں جو گہرا اور وافر اثر چھوڑا ہے، وہ اس بات کا تقاضا کرتا تھا کہ اس علمی خراجِ عقیدت کوہاتھوں ہاتھ لیاجائے۔ مگر مصروفیات کی الجھنوں میں تاخیر ہوتی رہی، یہاں تک کہ آج مکمل اور دلجمعی کے ساتھ اس کا مطالعہ ممکن ہوا۔

یہ کتاب نہیں، ایک متحرک شخصیت کی زندہ تصویر ہے۔ ہر ورق ان کے انفاسِ مسکیں کی مہک سے معطر ہے، ہر سطر ان کے کردار کی استقامت اور ان کی رائے کی اصابت سے جگمگا رہی ہے۔ محبت سے لبریز وجودِ ذیشانؒ گویا لفظوں میں ڈھل کر قاری سے محوِ گفتگو ہے۔ ایک ایک صفحہ جدائی کے دکھ سے بوجھل ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے قلم اٹھانے والوں نے اپنا دل ہی قرطاس پر رکھ دیا ہو۔

مفتی صاحبؒ کا حسنِ اخلاق، ان کی تدریس کا منفرد انداز، ان کی سادگی، امت کے تئیں ان کی فکر، طلبہ سے انکا پیار،درسِ قرآن کی روشنی، تقریر کی اثر آفرینی، تنظیمی صلاحیت اور تعمیری ذہن... سب کچھ لاجواب، مثالی اور قابلِ تقلید تھا۔

اس علمی و جذباتی شاہکار کے پس منظر میں حضرت مفتی شرف الدین صاحب اور مولانا حفظ الرحمن صاحب کی شب و روز محنت اور دردمندانہ کاوشیں نہایت قابلِ تحسین ہیں۔ ان کے تمام معاونین بھی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک علمی، روحانی اور تربیتی خزانے کو بڑی خوش اسلوبی سے امت کے سامنے پیش کیا۔

کتاب کے مضامین نہ صرف ادبی ترتیب اور سلیقے سے مزین ہیں بلکہ تاثرات کی سچائی اور مشاہدات کی حقانیت ہر مضمون کو دل کی دھڑکن بناتی ہے۔ جذبات میں مبالغہ نہیں، اخلاص کا جمال ہے۔ ہر تحریر محبت کے قلم اور اخلاص کی روشنائی سے لکھی گئی ہے۔
شاید ہی کوئی مضمون ایسا ہو جو قاری کی آنکھیں نم کیے بغیر ختم ہوا ہو۔
خاص طور پر حاجی بابو کا مضمون، مفتی ابو صالح منگرانوی کے تاثرات اور مولانا انضمام الحق صاحب کی "سفرِ آخرت" کی منظرکشی... یہ وہ حصے ہیں جنھیں ایک بار نہیں، بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ اور ہر بار دل بھیگ جاتا ہے، آنکھیں برسنے لگتی ہیں۔
"حیاتِ ذیشان" محض ایک یادگاری کتاب نہیں بلکہ ایک تربیتی نصاب ہے۔ یہ زندگی کی تلخیوں میں امید کی شمع جلاتی ہے، راہِ عمل کے ہر مسافر کو حوصلہ عطا کرتی ہے۔
مدارس کے ذمہ داران، اساتذہ، منتظمین، طلبہ بلکہ ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے یہ کتاب روشنی کا مینار ہے۔
اللہ تعالیٰ مفتی ذیشان صاحبؒ کی مغفرتِ کاملہ فرمائے، ان کے درجات بلند کرے اور ہمیں ان کی سیرت سے روشنی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سفر عقیدت و محبت ــــــ بقلم :- مولانا شیخ محمد خالد اعظمی قاسمی

دارالعلوم دیوبند اہل حق کے دلوں کی دھڑکن، فضلاء دارالعلوم دیوبند کی عقیدت کا مرکز، ملت اسلامیہ ہندیہ کی عظمت کا نشان ہے، یہ گہوارہ علم و ہنر ان نفوس قدسیہ کے ایثار وقربانی کا امین ہے جنھوں نے ہندوستان میں انگریز سامراجیت کی نیندیں حرام کردی تھیں

دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک تحریک ہے

جس کے افکار و نظریات حق و صداقت، اخلاص و للھیت کا پرتو ہیں

یہی وجہ ہے کہ اس کے ثمرات پوری دنیا میں پاۓ جاتے ہیں

دارالعلوم دیوبند کے بانئین ہندوستان میں دین و شریعت کی نشاۃ ثانیہ کے معمار ہیں

دارالعلوم دیوبند اہل باطل کیلئے شمشیر بے نیام اور پوری دنیا میں اہل حق کا ترجمان ہے

یہی رنگ اس کے خوشہ چینوں میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے وہ جہاں بھی ہوتے ہیں جس حال میں ہوتے ہیں کبھی باطل سے سمجھوتہ نہیں کرتے

دنیا کے خداؤں کے سامنے سر نہیں جھکاتے

یہی فضلاء دیوبند کی پہچان ہے..

ہاں کبھی کبھی مصلحت کی چادر اوڑھ لیتے ہیں یا حالات کی سنگینی انھیں خاموش کردیتی ہے آجکل کچھ ایسا ہی ہورہا ہے

لیکن اس کے باوجود باطل سے سمجھوتہ نہیں کرتے

اس مرکز علم و فن سے اکتساب فیض کرنے والا وہاں سے رخصت ہونے کے بعد دوبارہ اس علمی و روحانی فضا سے دل و دماغ کو آسودہ کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔

لیکن وہاں سے رخصت ہونے کے بعد لوگ اس کے مشن کو آگے بڑھانے یا اپنے دیگر کاموں میں ایسا مصروف ہوتے ہیں کہ انھیں دوبارہ اس کی زیارت سے آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کا موقع جلد میسر نہیں ہوتا

وہ انتہائی خوش نصیب ہوتے ہیں جنھیں بار بار وہاں جانے اور اس کی نورانی صبح و شام سے آسودگی حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے ورنہ اکثر لوگ اپنی دنیا میں ایسا مصروف ہوتے ہیں یا ایسے موانع در پیش ہوتے جس کی وجہ برسوں دوبارہ نہیں پہونچ پاتے اور جب انھیں وہ موقع میسر ہوتا ہے تو ان کی خوشی دیدنی ہوتی ہے

ناچیز کو بھی بیس سال بعد دارالعلوم دیوبند جانے کا ایک موقع ملا سراپا شوق بنکر اس لمحے کا انتظار کرنے لگا...

21 مئی بروز بدھ مولانا وسیم احمد قاسمی صاحب رحمت نگر صدر جمعیۃ العلماء شہر اعظم گڑھ کی کال آئی انھوں نے کہا کہ خالد بھائی 23 مئی جمعہ کو بای کار دیوبند جانا ہے آپ بھی تیار رہیں آپ کو بھی ساتھ چلنا ہے یہ اطلاع میرے لئے کسی نعمت مترقبہ سے کم نہیں تھی جمعہ کا شدت سے انتظار کرنے لگا اور بالآخر وہ وقت آگیا جب ہمارا چار نفری قافلہ رات آٹھ بجے رحمت نگر اعظم گڑھ سے دیوبند کیلئے روانہ ہوا

مولانا وسیم احمد قاسمی شیروانی صاحب صدر جمعیۃ العلماء ضلع جونپور بھی اس سفر شوق کا خوبصورت حصہ تھے وہ شاہ گنج میں ہمارے منتظر تھے،ہم پہلے شاہ گنج گئے وہاں عشاء کی نماز ادا کی گئی اور شاہ گنج سے ہمارا قافلہ چار سے پانچ رکنی ہوگیا...

1..مولانا وسیم صاحب رحمت نگر

2..مولانا علقمہ صاحب رحمت نگر

3..مولانا وسیم شیروانی صاحب
4..مولانا وسیم صاحب رحمت نگر کے بھائی مولانا کلیم صاحب کے سالے مستقیم صاحب
5.. اور ناچیز
مستقیم صاحب کی نئی آرام دہ 6 سیٹر انووا کرسٹا سے آگے کا سفر شروع ہوا..
جب سے اکسپریس ویز وجود میں آئے ہیں بای روڈ سفر بہت آسان ہوگیا ہے
پوروانچل اکسپریس غازی پور لکھنو کیلئے بہترین روڈ ہے یہ اکسپریس وے درمیان میں بہت سے شہر اور بازار کیلئے کٹتا ہے جہاں سے اکسپریس وے پر آنا انتہائی آسان ہے اگر کسی کے پاس اپنی گاڑی ہے تو عام طور پر اعظم گڑھ اور قرب و جوار کے لوگ اسی راستے کو اختیار کرتے ہیں
ہم لوگوں نے بھی اعظم گڑھ سے اسی راستے کو اختیار کیا اور تقریباً ایک گھنٹہ میں شاہ گنج آگئے ، ہم لوگ رات آٹھ بجے نکلے تھے اس لئے سب لوگ کھانا کھاکر نکلے تھے
زاد راہ کے طور پر کھانے پینے کی کچھ چیزیں رکھ لی گئی تھیں
مولانا وسیم صاحب رحمت نگر صدر جمعیۃ العلماء شہر اعظم گڑھ نے کافی مقدار میں پانی اور اسپیشل دانا لے لیا تھا جو.. لائی چنا مونگ پھلی اور سیو سے مرکب تھا اگر اس میں پیاز مکس کردی جاتی تو ممبئ کا بھیل پوڑی بن جاتا یہ کھانے میں اتنا لذیذ تھا کہ کھاتے جائیں جی نہ بھرے اس کے علاوہ سنڈویچ اور مختلف قسم کے بسکٹ اور نمکین بھی ساتھ میں تھے ، رات میں راستہ کیلئے جل پان کے طور پر بہت کچھ تھا
لیکن شاہ گنج کیلئے جب ہم لوگ اکسپریس وے سے نیچے اترے تو سوچا کہ ماموں کو تھوڑا پریشان کیا جائے

ہم نے کال کی اور کہا کہ ہم لوگ شاہ گنج آرہے ہیں آپ کے یہاں کھانا کھانا ہے
مندی کا آرڈر کردیجئے مندی کھاکر آگے کا سفر ہوگا
ماموں یہ سنکر سٹپٹا گئے اور مختلف بہانے شروع کردیئے
کہنے لگے میں ابھی دکان پر ہوں
میں نے کہا کال کرکے آرڈر کردیجئے کہنے لگے کہ میرے پاس نمبر نہیں ہے
میں نے کہا قندیل الرحمن سے نمبر لے لیجئے کہنے لگے وہ اپنی اہلیہ کو لیکر ہاسپٹل میں ہیں
میں نے کہا یہ سب بہانے ہیں نمبر لینے میں کیا دقت ہے؟
ماموں گارھے میں پڑ گئے کہنے لگے آجکل مندی اچھی نہیں بن رہی ہے
بقرعید قریب ہے اچھے بکرے نہیں مل رہے ہیں مندی والے کمزور اور لاغر قسم کے بکرے مندی میں استعمال کررہے ہیں
میں نے کہا کوئی بات نہیں وہی آرڈر کردیجئے کہنے لگے اتنی جلدی مندی تیار نہیں ہوتی پہلے سے آرڈر کرنا پڑتا ہے
بہرحال ماموں ایکدم پریشان ہوگئے تو ہم نے کہا ٹھیک ہے چاے کا نظم کردیجئے کہنے لگے میں ابھی دکان پر ہوں میں نے کہا ابھی تک دکان پر کیا کررہے ہیں جلدی گھر جائیں ہم لوگ آرہے ہیں بہرحال ماموں چاے کیلئے تیار ہوگئے
لیکن ہم لوگ نماز عشاء کے بعد واپس ہوگئے اور ماموں کوبتا دیا کہ آپ پریشان نہ ہوں ہم لوگ جا رہے ہیں، کہنے لگے کہ آپ لوگوں کیلئے پھل وغیرہ خرید لیا تھا معلوم نہیں خریدےتھے یا ویسے ہی کہ رہے تھے، ہم نے کہا پھل آپ لوگ کھائیں اب ہم جارہے ہیں اس طرح ماموں کی جان میں جان آئی،اورہم تھوڑی دیرمیں ایکسپریس وے ہر آگئے.

گاڑی مولاناوسیم صاحب چلا رہے تھے تقریباً ایک گھنٹہ چلنے کے بعد گاڑی اچانک لرزنے لگی گاڑی ایک سو بیس کی رفتار سے چل رہی تھی مولانا وسیم صاحب کو احساس ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے ، انھوں نے آرام سے گاڑی سائڈ میں کھڑی کردی

گاڑی سے نیچے اتر کر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ پچھلا ٹائر بری طرح سے پھٹ گیا ہے بلکہ چیتھڑا ہوگیا تھا ، اتنے سکون اور شرافت سے ٹائر پھٹتے ہوئے پہلی مرتبہ دیکھا نہ کوئی شور ہوا نہ آواز ہوئی

یہ مولانا وسیم صاحب کی مہارت تھی کہ انھوں نے خطرے کو بھانپ لیا تھا اور بڑے آرام سے گاڑی کنٹرول کرلی اللہ نے کرم فرمایا اور کسی حادثے سے محفوظ رکھا...

گاڑی میں اسٹپنی اور دوسرے آلے موجود تھے تقریباً آدھا گھنٹہ کی کوشش سے ٹائر تبدیل کردیا گیا ، اور لکھنو کیلئے روانہ ہوگئے.

اسی رات لکھنو میں آئی پی ایل میچ چل رہا تھا

تقریباً ایک بجے لکھنو کی حدود میں داخل ہوئےتو کافی چہل پہلی تھی کہیں کہیں کافی رش تھا معلوم ہوامیچ ختم ہوگیا ہے اور لوگ میچ دیکھ کر اپنے اپنے مقام پر واپس ہورہے ہیں لکھنوکے مختلف مقامات سےہوتے ہوئےرات تقریباًدو بجے خرم نگرپہونچے اورنیا ٹائرلیا گیا مولانا وسیم صاحب بار بار مزے لیتے رہے اور کہتے خالد بھائی پاسبان اتنا بڑا گروپ ہے اس میں ہرجگہ کے لوگ ہیں لیکن ابھی تک کہیں سے کوئی آفر نہیں آئی

خرم نگرسے ہمیں لکھنآگرہ اکسپریس وے پر آنا تھا،لکھنو آگرہ اکسپریس وے ایک بہترین روڈ ہے یہ اکھلیش یادو کا سیاحوں خاص طور سے یوپی والوں کیلئے بہترین تحفہ ہے،روڈ نے دوری سمیٹ دی ہےاوربہت کم وقت میں لکھنوسےآگرہ تک کاسفر مکمل ہوجاتا ہے۔

آگرہ اکسپریس وے پر آنے سے پہلے اس کے قریب میں چھوٹی چھوٹی دکانیں ہیں جو پوری رات کھلی رہتی ہیں گاڑی میں دانا اور سنڈوچ وغیرہ سے لطف اندوز ہوچکے تھے چائے کی خواہش تھی ایک دکان پر گاڑی روک کر چائے پی گئی اور مولانا وسیم صاحب نے تازہ دم ہوکر تقریباً پونے تین بجے گاڑی آگرہ ایکسپریس وے پر چڑھا دی اور منزل شوق کی طرف رواں دواں ہوگئے....

رات کے پونے تین بج رہے ہیں اور ہمارا پانچ نفری قافلہ آگرہ اکسپریس وے پر رواں دواں ہے مولانا وسیم صاحب رحمت نگر ماشاء اللہ بغیر کسی تکان کے ایک سو بیس کی رفتار سے گاڑی دوڑا رہے ہیں

مختلف نعتیہ کلام سے گاڑی گونج رہی ہے

کوئی اسپیشل دانے سے محظوظ ہورہا ہے کوئی موبائل میں مصروف ہے

مولانا وسیم شیروانی صاحب بیٹھے بیٹھے نیند کا لطف لے رہے ہیں

ان کی ویڈیو بنائی جارہی ہے

اسی حال میں نہ جانے کب آگرہ اکسپریس وے نے ساتھ چھوڑ دیا اور ہمیں یمنا اکسپریس وے پر ڈال دیا

جہاں آگرہ اکسپریس وے ختم ہوتا ہے وہیں سے یمنا اکسپریس وے شروع ہوجاتا ہے یہ اکسپریس وے آگرہ سے نوئیڈا اور دہلی کا سفر آسان کرتا ہے

صبح کے پانچ بج رہے ہیں نماز فجر کا وقت ہوچکا ہے فکر لاحق ہورہی ہے کہ کسی طرح نماز ادا کرلی جائے

نوئیڈا سے کچھ پہلے یمنا اکسپریس وے سے متصل ایک وسیع میدان میں ہوٹل نظر آیا جہاں سیاحوں کی گاڑیاں کھڑی تھیں مولانا وسیم صاحب نے گاڑی اسی جانب موڑ دی اور ہوٹل کے میدان میں گاڑی پارک کردی

ہم لوگ سیدھے باتھ روم کی طرف گئے استنجاء وغیرہ سے فارغ ہوئے اور وضو کیا

نماز کی کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی تو ہوٹل کے باہری حصے میں جو کھلا میدان تھا زمین پر سبز گھاس تھی بغیر تردد کے مختلف جگہوں پر تنہا تنہا نماز فجر ادا کی جب ہم لوگ نماز پڑھ رہے تھے تو آس پاس چہل قدمی کرنے والے سیاح یہ منظر دیکھ رہے تھے ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور سوچا کہ ہوسکتا ہے ہمارے اس عمل سے کوئی اچھا پیغام گیا ہو
ہم لوگ نماز سے فارغ ہو کر گاڑی میں آگئے اور آگے کا سفر شروع کیا
صبح ہوچکی تھی سورج اپنی کرنیں بکھیر چکا تھا
کچھ دیر چلنے کے بعد نوئیڈا گریٹر کی عمارتیں نظر آنے لگیں اور تھوڑی ہی دیر میں ہم لوگ نوئیڈا میں تھے
نوئیڈا سے دہلی قریب ہے
یہاں پہونچ کر کئی لوگ یاد آئے نوئیڈا میں مولانا عبد اللہ اعظم صاحب رہتے ہیں دہلی میں پروفیسر ظفیر الدین قاسمی ،پروفیسر مفتی عبیداللہ قاسمی صاحبان مقیم ہیں
سوچا ان سے ملاقات کی کوئی سبیل بن جاتی لیکن ممکن نہ ہوسکا
مولانا عبد اللہ اعظم صاحب سے ملاقات ہوسکتی تھی لیکن انھوں نے کوئی سانس ڈکار نہیں لی اس لئے ہم نے بھی خاموشی میں عافیت سمجھی
اب ہمیں نوئیڈا سے دیوبند کا رخ کرنا تھا
نوئیڈا سے قریب ایک مقام ہے (نام ٹھیک سے یاد نہیں ہے شاید کاسنہ ہے) یہاں سے ایسٹرن پیرا پھیری اکسپریس وے شروع ہوتا ہے جو میرٹھ تک لیجاتا ہے
مولانا وسیم صاحب نے نوئیڈا کا چکر لگاتے ہوئے گاڑی مذکورہ اکسپریس وے پر ڈال دی
اس اکسپریس وے پر بہت گاڑیاں چلتی ہیں کافی رش رہتا ہے
راستے میں غازی آباد میرٹھ پڑتا ہے
اور پھر میرٹھ سے کھتولی مظفر نگر ہوتے ہوئے دیوبند آتا ہے، اس روڈ پر قریب قریب بہت سے ہوٹل ہیں لگتا ہے اس راستے سیاحوں کی آمد و رفت زیادہ ہوتی ہے

مظفر نگر سے پہلے ایک ہوٹل پر گاڑی روکی گئی اور چائے پی گئی اب دیوبند بالکل قریب تھا مظفر نگر سے پندرہ بیس منٹ کی مسافت ہے دن کے گیارہ بج رہے تھے اور دل کی دھڑکن تیز ہورہی ہے

دل و دماغ کی اسکرین پر ماضی کی فلم چلنے لگی

کیوں کہ ہم اس شہر علم و فن میں جارہے تھے

جہاں سے گزرتے ہوئے کسی وقت کچھ اللہ والوں نے علم کی خوشبو محسوس کی تھی اور وہاں ایک مسجد میں انار کے درخت کے نیچے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی جس کی ابتدا ایک استاذ اور ایک شاگرد سے ہوئی تھی

لیکن وہ چھوٹا سا مدرسہ اس قدر تناور درخت بن گیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں اس کی شاخیں مشرق سے مغرب شمال سے جنوب تک پھیل گئیں اور اس نے اپنے سائے میں ملت اسلامیہ ہندیہ کے ایمان و یقین، قرآن و حدیث کی اس وقت حفاظت کی جب ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط تھا

انگریز سامراج نے ہندوستان کو اندلس بنانے کا خواب دیکھا تھا

ہندوستان میں ان کے ناپاک قدم پڑنے کے بعد انھوں نے نوابوں اور جاگیرداروں کی ماتحتی میں چلنے والے تمام مدارس کو منہدم کردیا تھا یا بحق سرکار محفوظ کرلیا تھا علماء کو تختہ دار پر لٹکا دیا تھا

ہندوستان سے اسلامی شعائر اور تشخصات کو ختم کرنے کی پوری تیاری کرلی تھی ان کی مشنریاں بچے کھچے مسلمانوں کو مرتد بنانے کیلئے کمربستہ تھیں لیکن اسی مدرسہ نے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملایا اور نئے سرے سے ہندوستان میں ایمان و یقین کی شمع روشن کی قرآن و حدیث کی تعلیم کی بقا و تحفظ کو یقینی بنایا

اسی کیساتھ اس مدرسہ کے قیام کا مقصد مجاہدین کی ایسی کھیپ تیار کرنی تھی جو انگریزوں کے ناپاک قدم سے ہندوستان کو پاک کرسکیں

الحمدللہ اس مدرسہ نے وہ عظیم الشان کارنامہ بھی انجام دیا جس کی ایک روشن تاریخ ہے ، اس مدرسہ کا نام **دارالعلوم دیوبند** ہے

اب ہم چاے سے فارغ ہوکر اسی سر زمین پر قدم رکھنے والے تھے.

اور الحمد للہ بخیر و عافیت اعظم گڑھ سے سوتے جاگتے کھاتے پیتے ہنستے بولتے پانچ ایکسپریس وے(پروانچل ایکسپریس وے ،آگرہ ایکسپریس وے ،یمنا ایکسپریس وے ،ایسٹرن پیری پھیرا ایکسپریس وے ،میرٹھ ایکسپریس وے) عبور کرتے ہوئے ساڑھے پندرہ گھنٹے میں دیوبند پہونچ گئے.....

نوجوان علماء کا انداز خطابت: چند ملاحظات

بقلم :- مفتی اظہار الحق قاسمی بستوی

حال ہی میں ایک جلسے میں شرکت کا موقع ملا اور تقریباً تین چار خطباء کو سننے کا بھی۔ ماشاءاللہ نوجوان علماء بھی میدان خطابت میں اپنا جوہر دکھا رہے ہیں اور عوامی مقبولیت حاصل کر رہے ہیں۔ حالیہ جلسے میں بھی مقررین نے بڑی عمدہ و نفع بخش باتیں کیں اور ایک نوجوان خطیب کا خطاب تو ایسا رہا کہ طبیعت مچل گئی۔ تاہم یہ محسوس ہوتا ہے کہ عوام میں جلسے جلوس میں شرکت کرنے کا مزاج کچھ کم ہوا ہے حتی کہ بڑے جلسوں میں بھی چند ہزار کی تعداد بمشکل آ رہی ہے۔

ایک بات جو بہت واضح طور پر محسوس ہوئی وہ یہ ہے کہ جلسوں اور عوامی مجلسوں میں سوسائٹی کا تعلیم یافتہ اور باحیثیت طبقہ بالکل نہیں آتا۔ اس حوالے سے عدم دلچسپی خود انکا قصور بھی ہے مگر ہمارے مقررین بھی کچھ نہ کچھ ذمے دار ہیں۔ اس کی ایک وجہ جو سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ ہمارے بہت سے عوامی خطباء جب مسند خطابت پر جلوہ افروز ہوتے ہیں تو وہ عموماً ایسا انداز گفتگو اختیار کرتے ہیں مانو کوئی جنگ کا میدان برپا ہو جس میں وہ امیروں کی مالداری پر اور پڑھے لکھوں کے کردار پر گویا قہر برپا کرتے ہیں۔ دلوں کو جوڑنے والی اور محبت آمیز گفتگو کم ہوتی ہے نتیجتاً پڑھا لکھا طبقہ بکھر جاتا ہے۔

بلا تیاری و ترتیب کے خطاب کا مسئلہ مزید ہے کہ لوگ صرف چیخنے اور چنگھاڑنے کو عمدہ خطابت سمجھتے ہیں جب کہ پڑھے لکھے لوگ سنجیدہ اور مرتب گفتگو سننا پسند کرتے ہیں۔

مقررین کا الفاظ کا چناؤ بھی بسا اوقات بڑا غیر شائستہ ہوتا ہے جس کی ایک مثال ابھی حالیہ جلسے میں دیکھنے کو ملی جس میں مرد و خواتین دونوں لوگ تھے کہ: ایک مقرر نے اسکول کالج جانے والی بچیوں کے لیے دوسروں کا بستر گرم کرنے کی تعبیر استعمال کی۔ ان کا یہ تعبیر استعمال کرنا خود اپنی بچیوں کے لیے جو مخلوط اسکول و کالج میں جاتی ہیں کے لیے نہایت عجیب بل کہ پھوہڑ لگا۔ عجیب تر تو مزید تب ہوا جب دوسرے مقرر نے اسی تعبیر کو مزید چیخ چنگھاڑ کے ساتھ دو تین بار استعمال کیا۔ اسی موضوع پر دیر تک چیختے رہے۔

بندے کو اس تعبیر کی بھدگی کا بڑی شدت سے احساس ہوا۔
دوسری بات یہ ہے کہ عموماً پبلک علماء کی گفتگو سے کنیکٹ/مربوط نہیں ہو پاتی کیونکہ مقررین کتابی فصاحت و بلاغت سے بھرپور زبان کا استعمال کرتے ہیں جو عوام کے سر کے اوپر سے گزرتی ہے اور ختم جلسہ کے بعد سب برابر۔
اسی طرح مقررین عموماً مبہم گفتگو کرتے ہیں اور صاف گفتگو سے مکمل پرہیز کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسی جلسے میں تین مقررین نے کہا کہ اپنے بچوں کو تعلیم دیں مگر کسی نے بھی یہ نہیں بتایاکہ کیا اورکیسی تعلیم دی جائےاورکہاں دی جائے،اسکول کالج کی مخلوط فضاؤں کی جم کرمذمت تو کی گئی مگرعوام کو کوئی متبادل حل نہیں بتایاگیاکہ کن اسکولوں اور کالجوں میں بھیجا جائے جہاں بچوں کے دین و عقائد اور تہذیب کی حفاظت کے ساتھ بچے تعلیم حاصل کر سکیں۔اصل مسئلہ ہی یہ ہےکہ ہم نے اس طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی کہ بچوں کو ہم ایسے ادارے مہیا کرا سکیں۔ صرف رد و قدح اور تنقید کی روش ہم نے اختیار کی، انجام کار ہماری چیخ پکار بے اثر رہ جاتی ہے۔
دیر رات تک ہونے والے جلسوں میں تعلیم یافتہ لوگوں کا آنا مشکل اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ دوسرے دن کے معمولات ڈسٹرب ہوتے ہیں۔ ایک ڈیڑھ بجے تک تقریریں ہوتی ہیں جس کا پہلا منفی اثر یہ ہوتا ہے کہ عوام کے ساتھ بہت سے مقررین کی بھی فجر چھوٹ جاتی ہے۔
اس لیے ضرورت ہے کہ سلیقہ مندی کی گفتگو کے ساتھ مرتب اور معیاری اور پبلک کے حساب کی واضح گفتگو کی جائے۔ ورنہ پڑھا لکھا طبقہ پینٹ والے مقررین کی طرف زیادہ راغب ہو رہا ہے اور علماء کے خطاب سے بے پرواہ ہو رہا ہے جو کہ اچھی علامت نہیں ہے۔ تعلیم یافتہ خواتین کے لیے بھی اچھے علماء کے بیانات اچھے انداز میں ہونے ضروری ہیں۔ ہماری یہ ذمے داری ہے کہ ہم اپنی گفتگو کے معیار کو بلند کریں اور دین کی دعوت کو حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ پیش کریں۔

مسلمانوں کا دعوتی کردار

حافظ دانش فلاحی،المنیر انفارمیشن اینڈ گائیڈنس سینٹر اعظم گڑھ

بھارت مختلف ثقافتوں، تہذیبوں اور عقیدوں کا گہوارہ ہے۔ یہاں صدیوں سے مختلف مذاہب کے ماننے والے نہ صرف ساتھ جیتے آئے ہیں بلکہ ایک دوسرے کی تہذیب، خوشی اور غم میں شریک بھی رہے ہیں۔ مگر افسوس ، کچھ عرصے سے ملک کے ماحول کو نفرت، تعصب اور مذہبی منافرت کی بھٹی میں جھونکنے کی منظم کوششیں کی جا رہی ہیں۔ خاص طور پر مسلم مخالف پروپیگنڈے نے معاشرے میں فاصلے بڑھا دیے ہیں۔

ایسے حالات میں جہاں مسلمان فطری طور پر پریشان اوردفاعی کیفیت میں چلے جاتے ہیں، وہیں ایک سنجیدہ سوال بھی جنم لیتا ہے:

کیا ہمیں صرف ردعمل تک محدود رہناچاہیے،یا دعوتی حکمت و کردار کے ذریعے معاشرتی فاصلے کم کرنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے؟

اسلام کا مزاج ردعمل کےبجائے اصلاح اور تعمیر کا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کاہر گوشہ ہمیں یہی سکھاتاہےکہ مخالفت، تعصب اور ظلم کا جواب صبر، حکمت اور حسنِ اخلاق سے دینا ہی اصل کامیابی ہے۔ طائف کے پتھر، مکہ کے طعنے، اور شعبِ ابی طالب کی بھوک ہو یا ہجرتِ مدینہ کی قربانیاں،آپ ﷺ نے ہمیشہ دشمن کو بھی خیرخواہی، رحم اور محبت سے جواب دیا۔

آج بھارت کےمسلمانوں کو بھی یہی دعوتی کردار اداکرنا ہوگا،اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ روزمرہ زندگی میں حسن سلوک، سچائی،امانت و دیانت، اور معاشرتی خدمت کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ تعلیم،صحت، صفائی اور رفاہی کاموں میں مسلمانوں کی شرکت نہ صرف انکے اخلاقی

وقار کو بلند کرے گی بلکہ غیر مسلم طبقات کے دلوں میں اسلام کی اصل تصویر بھی واضح کرے گی۔

مدارس اور مساجد کو صرف عبادت کے مراکز نہیں بلکہ امن و بھائی چارے کے پیغام رسان مراکز بنایا جائے۔ علماء کرام بین المذاہب مکالمے میں قائدانہ کردار ادا کریں اور نوجوان نسل کو اشتعال انگیزی سے ہٹا کر مثبت اور تعمیری سوچ کی طرف مائل کریں۔ سوشل میڈیا جیسے طاقتور ذرائع کا استعمال محبت، حکمت اور مثبت پیغام رسانی کے لیے ہو۔ نفرت کا جواب نفرت سے نہیں بلکہ کردار، علم اور شفقت سے دینا چاہیے۔ یہی وہ حکمت عملی ہے جو اسلامی تاریخ کے ہر دور میں کامیاب رہی ہے۔

یاد رکھیے! اگر ہم چاہتے ہیں کہ بھارت کی فضا ایک بار پھر محبت، اتحاد اور بھائی چارے سے مہکنے لگے تو ہمیں اپنے کردار سے ایک نئی دعوتی تاریخ رقم کرنی ہوگی۔ یہی وقت کی پکار ہے اور یہی ہماری دینی و قومی ذمہ داری بھی۔

کیا انسان کا وجود بے مقصد ہے؟ ـــــ مولانا عبدالحکیم امبیڈکرنگری

ہر عقل مند انسان اپنی زندگی کے ہر کام کے لیے کوئی نہ کوئی مقصد ضرور رکھتا ہے۔ وہ کھاتا ہے تاکہ زندہ رہے، محنت کرتاہے تاکہ کمائے، تعلیم حاصل کرتا ہے تاکہ کچھ بن سکے، حتیٰ کہ کوئی بچہ بھی کوئی کھیل کھیلتاہے تو وہ بھی جیتنے کی سوچ کے ساتھ کھیلتا ہے، دنیا کا کوئی بھی ذی شعور انسان ایسا نہیں کہ وہ دن رات محنت کرے، وقت اور توانائی خرچ کرے، اور پھر پوچھنے پر کہے کہ میں تو بس یونہی کر رہا ہوں، کوئی مقصد نہیں، تو پھر کیا یہ ممکن ہے کہ انسان خود تو ہر چھوٹے بڑے کام کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد رکھے، لیکن اس کی اپنی تخلیق، اس کا اپنا وجود، اس کا آنا، جینا، مرنا، سب کچھ بغیر کسی مقصد کے ہو؟ کیا اس عظیم کائنات کا نظام، جو اتنی حکمت، ترتیب اور اعتدال سے چل رہا ہے ، یوں ہی بے کار ہے؟ کیا انسان جیسا اشرف المخلوقات صرف کھانے پینے، سیر کرنے اور دنیا کمانے کے لیے بنایا گیا؟ کیا اُس کا انجام صرف قبر کی مٹی ہے؟ اگر یہی سب کچھ ہے توپھر انصاف، عقل، عدل، جزا و سزا، حق و باطل، اور اچھے بُرے کا فرق سب ختم ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اور ساتھ ہی اُسکے پیدا ہونے کا مقصد بھی واضح کر دیا۔ فرمایا: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی انسان کی تخلیق محض دنیا کی زیب و زینت کیلیے نہیں، بلکہ ایک بلند مقصد کے لیے ہے۔ وہ مقصد اللہ کی بندگی ہے، جس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف نماز روزہ ادا کرلیاجائے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کی پوری زندگی اللہ کے حکم کے تابع ہو جائے۔ اُس کی سوچ، اُس کا عمل، اُس کی ترجیحات، اُس

کے تعلقات، سب کچھ اللہ کے لیے ہو جائے۔
انسان کو سوچنا چاہیے کہ اُسے کون پیدا کرتا ہے، کون پال رہا ہے، کون نعمتیں دے رہا ہے، اور وہ ان نعمتوں کے بدلے کیا کر رہا ہے۔ اللہ کی کتاب ہمیں بار بار یاد دلاتی ہے کہ تمہیں یونہی بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا۔ افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون اللہ انسان سے سوال کرتا ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں یوں ہی بے کار پیدا کیا گیا ہے؟ اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟ یعنی اگر تمہیں لگتا ہے کہ بس دنیا ہی سب کچھ ہے، تو یہ تمہاری بڑی بھول ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں ایک مقصد کے تحت بھیجا گیا ہے، اور ایک دن اُسے اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے، جہاں اُس سے اُس کی زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب لیا جائے گا۔
اللہ تعالیٰ نے انسان سے ایک اور بڑی بات فرمائی۔ ایک عظیم سودا کیا۔ فرمایا:

ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسهم واموالهم بأن لهم الجنة.

اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لیے ہیں، اور بدلے میں جنت دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ ایک عجیب اور عظیم سودا ہے۔ جان، جو ہماری اپنی نہیں، اور مال، جو اللہ ہی کی عطا ہے، اُسے اللہ کے راستے میں لگا دو، اور بدلے میں ہمیشہ کی جنت لے لو۔ مگر افسوس، آج کا انسان اللہ کے اس سودے کو بھول چکا ہے۔ اللہ نے اُس سے جان اور وقت مانگا، مگر وہ اپنا وقت فیس بک،انسٹا گرام،فلموں،گانوں اور فضول مشغولیات میں ضائع کر رہا ہے۔ اللہ نے مال مانگا، وہ اسے سیر و تفریح، فیشن اور نفس پرستی پر لٹا رہا ہے۔ جب اللہ کے دین کی بات آتی ہے تو اُسے بوجھ سمجھا جاتا ہے، وقت کی کمی کا بہانہ بنایا جاتا ہے، اور دل میں بیزاری محسوس ہوتی ہے۔

آج کا انسان مسجد سے دور، قرآن سے غافل، اور اپنے رب کی یاد سے غافل ہوتا جا رہا ہے۔ بات کسی نصیحت پر شروع ہو تو جواب میں طنز، تمسخر اور گالیاں دی جاتی ہیں۔ گناہوں کو فیشن اورفخر کا حصہ بنا لیا گیا ہے۔ جوا، شراب نوشی، فحاشی، فلم بینی، موسیقی، وقت کا ضیاع،ماں باپ کی نافرمانی، بدزبانی، سب کچھ عام ہو گیا ہے۔ گناہ گناہ نہیں لگتے، اور عبادت بوجھ لگتی ہے، کیا یہ سب کچھ وہی زندگی ہے جس کے لیے اللہ نے ہمیں پیداکیا؟ کیایہی ہماری تخلیق کامقصد ہے؟ کیا اسی کے لیے ہمیں شعور، زبان، دل، دماغ، اور جسم عطا کیا گیا تھا؟ کیا اللہ کو صرف جمعہ کے دن، یا کسی جنازے پر یاد کرنا کافی ہے؟کیا ہم اس بھول میں ہیں کہ موت دور ہے، اور حساب کتاب بس ایک کہانی ہے؟

اللہ بار بار انسان کو جھنجھوڑتا ہے: ۔ **یا أیھا الانسان ما غرک بربک الکریم**

اےانسان! تجھے کس چیز نے تیرے ربِ کریم سے غافل کر دیا؟ وہ رب جس نے تجھے بنایا، جس نے تجھے درست بنایا، جس نے تیرا نظام اتنے توازن سے قائم کیا، اُس کو بھول کر تُو کن چیزوں میں لگا ہوا ہے؟زندگی ختم ہو جاتی ہے، لیکن مقصد کا سوال باقی رہتا ہے۔ اگر انسان نے دنیا کے پیچھے بھاگ کر اللہ کو بھلا دیا، تو کل کی پشیمانی کسی کام نہیں آئے گی۔ اگر آج آنکھیں بند ہیں، تو ایک دن قبروں سے اٹھا دیے جاؤ گے۔ اور پھر پوچھاجائے گاکہ تم نےاپنی زندگی کس کے لیے گزاری؟**اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:**

وإن الدار الآخرة لھی الحیوان لو کانوا یعلمون اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، کاش لوگ جان لیتے۔ دنیا کی زندگی تو ایک دھوکہ ہے،ایک کھیل ہے،ایک آزمائش ہے اس زندگی کو اگر ہم نےاللہ کے حکم کے مطابق گزارا،تو کامیابی ہے،ورنہ صرف خسارہ ہی خسارہ ہے۔

جھوٹ کی قباحت اور شناعت (خلاصہ خطاب جمعہ) بقلم:-مولانا شیخ خالد قاسمی

جھوٹ بہت ہی عام بیماری ہے یہ ایسی بیماری ہے جسے ہوشیاری سمجھاتا ہے
حالانکہ جھوٹ کی بدبو سے اللہ کے فرشتے ایک میل دور چلے جاتے
مارکیٹ میں عدالت میں مجلسوں میں گروپوں میں جھوٹ کا سہارا لیا جاتا ہے
میڈیکل سرٹیفکٹ، کیریکٹر سرٹیفکیٹ برتھ سرٹیفکیٹ جھوٹی بنوائی جاتی ہیں
سفارش میں جھوٹ بولا جاتا ، تصدیقات میں بھی جھوٹ کا سہارا لیا
ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ بولا جاتاہے، جھوٹ اتنا عام ہے کہ لوگ اسے گناہ ہی نہیں سمجھتے
حالانکہ جس طرح چوری ڈکیتی قمار بازی شراب نوشی زنا کاری حرام اور ناجائز ہیں
اسی طرح جھوٹ بولنا بھی حرام اور ناجائز ہے بلکہ اسے اکبر الکبائر کہا گیا ہے
جھوٹ بولنا نفاق کی علامت ہے
آج موبائل کا دور ہے کسی کی کال آتی ہے ملنا چاہتے ہیں جواب میں آسانی سے کہدیا جاتا ہے کہ گھر پر نہیں ہوں
سوشل میڈیا پر کوئی بھی خبر آتی ہے بغیر تصدیق اور تحقیق اسے شیئر کردیا جاتا ہے حالانکہ یہ جھوٹ کے زمرے میں آتا ہے.

ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر و الفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا

اس لئے آج سے پاسبان میں کوئی بھی خبر بغیر تحقیق کے نہ شئیر کریں

بندہ بھی ان شاء اللہ اس پر عمل کی کوشش کریگا.......................... وما علینا الا البلاغ

شیخ محمد خالد اعظمی ، 16 مئی 2025 بروز جمعہ

احتسابِ نفس:زوال سے عروج کی سمت:ایک مطالعہ

مفتی توقیر بدر القاسمی الازہری

گزشتہ دنوں راقم ایک دینی مجلس میں شریک بلکہ اس کا ایک حصہ تھا۔
وہاں ایک ایسےنوجوان سے ملاقات ہوئی ،جو باتوں سے نہ تو زیادہ پڑھا لکھا لگا،نہ حلیہ انکا کسی ملا یا مسٹر کا پتا دیے رہا تھا۔البتہ ذاتی مطالعہ اور تبلیغ کی محنت سے "معاشرے میں پھیلی عوامی وعلمی انتشار و ابتری اوراحادیث کی روشنی میں اس کاعلاج" اسکی فکر و کڑھن اور دل و دماغ میں بن رہے منصوبے کا خلاصہ تھا۔
انہوں نے راقم کو اسی موضوع پر بیان کرنے کا پابند بنایا اور کہا موقع ملے تو ان نکات کو قلم بند بھی ضرور کیجیے گا۔
آج اسٹاک مارکیٹ آف off تھا، تو فرصت پاکر سوچا اس نوجوان کی خواہش کا احترام ضرور کیا جایے۔
قارئین عظام....! الفاظ کی دنیا میں کچھ صدائیں ایسی ہوتی ہیں جو دل کو چھو لیتی ہیں، اور کچھ مفاہیم ایسے ہوتے ہیں جو اقوام کی تقدیر بدل دیتے ہیں۔
انسانی تاریخ میں اگر کوئی پیغام ایسا ہے جو فطرتِ انسانی کی رہنمائی کرتا ہے، تو وہ کلامِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جو نہ صرف فرد کی اصلاح کا ذریعہ ہے، بلکہ قوموں کی فلاح و بہبود کا منبع و سرچشمہ بھی۔
زمانۂ جدید کے شور و ہنگامہ، سائنسی ترقیات، اور تہذیبی تصادم کے درمیان جب امت مسلمہ اپنی حالت پر نظر ڈالتی ہے، تو وہ لمحۂ فکریہ ہوتا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اندر سے آواز آ رہی ہو کہ کیا ہم نے اپنی اصل کو کھو دیا؟ کیا ہمارے زوال کا سبب صرف خارجی سازشیں ہیں یا داخلی غفلتیں بھی ان میں شامل ہیں؟ کیا ہماری دینی میراث، بالخصوص حدیثِ رسول، ہماری زندگیوں میں محض نصابی مواد بن چکی ہے؟ دراصل یہی وہ سوالات ہیں، جو احتسابِ نفس کے دروازے کھولتے ہیں۔

حدیثِ رسول: سرچشمۂ ہدایت و حکمت

اہل علم پر یہ نکتہ مخفی نہیں، کہ قرآنِ کریم کے بعد اگر کسی چیز کو حجت، دلیل، اور شارع کا درجہ حاصل ہے تو وہ حدیثِ رسول ہے۔

احادیث نبویہ فقط الفاظ کا مجموعہ نہیں، بلکہ ان میں حیاتِ انسانی کے ہر گوشے کے لیے ہدایت، حکمت، اور بصیرت پوشیدہ ہے۔

چناچہ آقا ﷺ نے جہاں **"علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین"** فرمایا، وہیں اس بابت ایک سرخ لکیر بھی کھینچ دی

"من عمل عملاً لیس علیه أمرنا فهو ردٌّ" (مسلم)

(جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہ ہو، وہ مردود ہے۔)

مذکورہ احادیث اپنے اندر دین کی تبلیغ و تطہیر کا وہ اصولی تصور رکھتی ہے جو آج بھی جدید دینی تحریکوں کے لیے proper guide و رہنما ہے۔

یہ فقہ، اصولِ فقہ، اور اسلامی شریعت کے لیے ایک بنیاد ہے، جو ظاہر کرتی ہے کہ عمل کی مقبولیت، سنتِ نبوی کی پیروی پر ہی موقوف ہے۔

احتسابِ نفس: زوال سے عروج کی راہ کا سفر

حدیث نبوی میں آیا: **"حاسِبوا أنفسکم قبل أن تُحاسَبوا"**

(اپنے نفس کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔)
یہ حدیث ہمیں خود شناسی، خود احتسابی، اور ذاتی تطہیر کی دعوت دیتی ہے۔ جو قوم فرد کے محاسبے سے غافل ہو جائے، وہ اجتماعی انحطاط کی طرف بڑھتی ہے۔
ہمارے معاشرے میں اب یہ عنصر مفقود ہوتا جارہا ہے۔
ہم دوسروں کی غلطیاں تو گنواتے ہیں، مگر خود کو آئینہ دکھانے سے ڈرتے ہیں۔

فقہی تبصرہ: حدیث اور اجتہاد کی ہم آہنگی

اسلامی فقہ کی عمارت دو ستونوں پر قائم ہے: قرآن اور حدیث۔ فقہاے اسلام نے حدیث کو صرف روایتی انداز میں نقل نہ کیا، بلکہ اس سے استنباط، اجتہاد، اور استدلال کا در بھی کھولا۔
امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:
"كل ما حكم به رسول الله فهو مما فهمه من القرآن." دیکھے (الرسالہ)
(رسول اللہ کا ہر فیصلہ قرآن ہی کے فہم پر مبنی ہوتا ہے۔)
مگر آج جب ہم "فقہ" پر نظر ڈالتے ہیں، تو دو انتہاؤں سے واسطہ پڑتا ہے: ایک طرف جامد تقلید، دوسری طرف بے قاعدہ تجدید!
ان دونوں کے بیچ ایک متوازن راہ، سنت اور اجتہاد کی ہم آہنگی ہے، جس کی مثال ہمیں سیرتِ صحابہ میں ملتی ہے۔

عمرانی پہلو: امت کا اجتماعی شعور اور اس کا زوال

دنیا جانتی ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے، جس کی بنیاد صرف انفرادی طہارت پر نہیں، بلکہ اجتماعی تطہیر اور سماجی انصاف پر بھی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت جہاں ایک ایک فرد کی اصلاح کے لیے تھی ، وہیں ایک مثالی معاشرہ کے قیام کے لیے بھی تھی —ایسا معاشرہ جو عدل، اخوت، مساوات، اور شرافتِ انسانی کا مظہر ہو۔

اس مثالی معاشرے کی بنیاد مندرجہ ذیل پہلو سے نمایاں ہوتی رہی۔

(1)معاشرتی تنظیم:

حدیث: "المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً."

(مومن، دوسرے مومن کے لیے دیوار کی مانند ہے جو ایک دوسرے کو سہارا دیتا ہے۔)

یہ حدیث عمرانیات کاوہ اصولی تصور دیتی ہے،جس میں سماج کو ایک جاندار اکائی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔جب سماج کے افراد ایک دوسرے کے لیے سہارا بن جائیں، تبھی وہ سماج پنپتا ہے،مگر آج ہم نے اس رشتۂ اخوت کو ذاتی مفادات، نسلی تعصبات، اور فرقہ وارانہ تقسیم و تفریق کے سپرد کر دیا ہے۔

(2) سماجی نابرابری اور حدیث کی تعلیمات:

اسلامی معاشرہ رنگ، نسل، قوم اور زبان کی بنیاد پر امتیاز کو رد کرتا ہے۔

"لا فضل لعربي على أعجمي إلا بالتقوى."

مگر آج مسلم دنیا کے اکثر معاشروں میں سماجی نابرابری شدید صورت اختیار کر چکی ہے۔ طبقاتی تفریق و علاقائی تقسیم ،لسانی و لونی امتیاز اور جات پات کے رنگ ڈھنگ نے اسلامی مساوات کا جنازہ نکال دیا ہے۔

ملازمت، شادی، تعلیم، اور عزت و عظمت کے پیمانے اب حلم و علم ،عدل و تقویٰ کے بجائے دولت اور حسب و نسب بن چکے ہیں۔

یہی وہ سماجی انحراف ہے جو اب اجتماعی زوال کی علامت بن چکا ہے۔

(3)شہری ذمہ داری اور مدنی شعور:

حدیث: "كلكم راعٍ وكلكم مسؤولٌ عن رعيته."

یہ حدیث شہری ذمہ داری کا عالمگیر منشور ہے۔ایک سماج تب ہی ترقی کرتا ہے جب ہر فرد اپنی اجتماعی ذمہ داری کو سمجھتا ہو،

مگر آج ہم صرف حقوق کے طالب ہیں، فرائض سے فرار چاہتے ہیں۔حکومت سے شکوہ کرتے ہیں،مگر خود اخلاقی و سماجی نظم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

ہم ووٹ تو ڈالتے ہیں، مگر احتساب کے نظام سے یکسر نابلد و ناواقف ہیں۔

(4)تمدنی زوال کے اسباب:

ابن خلدون جیسے ماہرعمرانیات کے نزدیک تمدن کا زوال اس وقت شروع ہوتا ہے جب:

الف:لوگ عیش پرستی میں مبتلا ہو جائیں۔

ب:اجتماعی نظم بکھر جائے۔

ج: انصاف و اتحاد کی جگہ ذاتی مفاد نے لے لی ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی اسباب کا قبل از وقت سدباب کیا:

الف:صبر و قناعت کو فروغ دیا۔

ب:زکوٰۃ کے ذریعے دولت کی تقسیم کا عملی نظام قائم کیا۔

ج:نفاق اور خود غرضی کے خلاف ج ہاد کو فرض قرار دیا۔

پر افسوس آج ہم ان تمام تعلیمات کو بھلا چکے ہیں، اور یہی وہ عمرانی بگاڑ ہے ،جو ہمیں تمدنی موت کی طرف دھکیل رہا ہے۔

(5) سوشیالوجی میں "Collective Conscience" اور اسلامی شعور:
جدید مطالعہ و عصری تحقیق کے متوالے کیلیے عرض ہے ۔
سوشیالوجسٹ ایمیل دورکائم کے مطابق ایک معاشرہ اُس وقت تک برقرار رہتا ہے، جب تک اس کا اجتماعی ضمیر (Collective Conscience) زندہ ہو۔
اسلام میں یہی"اجتماعی ضمیر"امر بالمعروف اورنہی عن المنکر" کی صورت میں موجود ہے۔
"من رأى منكم منكراً فليغيره بيده. الخ"
(تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے، اسے ہاتھ سے روکے.)
یہ حدیث ہمیں ایک فعال سماجی کردار کی دعوت دیتی ہے۔
پر افسوس کے ساتھ یہ اعترف کرنا پڑ رہا ہے کہ آج ہمارا رویہ تماشائی بن چکا ہے، ہم برائیوں کو دیکھ کر بھی اپنے مفاد و مقام کے دائرے میں رہ کر خاموش رہتے ہیں۔
یوں سماجی و اجتماعی خاموشی "سوشیا لوجیکل سائلنس" نے ہمارے معاشروں کو آج اخلاقی پستی میں دھکیل دیا ہے۔
بہر حال اب بھی ہم یہ کرسکتے ہیں!
اجتماعی شعور:ملتِ اسلامیہ کا آئینہ بنے ، حدیثِ نبوی کا ایک اہم پہلو اجتماعی شعور کو بیدار کرنا رہا ہے۔"**من لا يهتم بأمر المسلمين فليس منهم**"
(جو مسلمانوں کے معاملات سے بے پروا ہو وہ ان میں سے نہیں۔)
یہ ایک تنبیہ ہے اور ایک صدا بھی۔
ہم نے اپنے ذاتی مفادات کو قومی مقاصد پر ترجیح دی۔ ہماری مساجد بھر گئیں، مگر صفیں اتحاد سے خالی رہ گئیں؛ہم نے وظیفے اپنائے،مگر مقصد فراموش کر دیا۔

ایک ملت جو اجتماعی شعور سے محروم ہو، اس کا مقدر تنزلی کے سوا کچھ نہیں۔

ترقی و تنزلی:سائنسی و سماجی توجیہات

(1) سائنسی زاویہ:

دنیا کی اقوام جب سائنسی اصولوں پر زندگی گزارتی ہیں تو ترقی کرتی ہیں۔

مسلمانوں کے ابتدائی عہد میں تجربہ، مشاہدہ، اور علم کی ترویج سنتِ نبوی سمجھی جاتی تھی،مگر آج ہم سائنسی تفکر کو مغربی تہذیب کا طعنہ سمجھتے ہیں۔

آقا ﷺ نے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت یوں کی تھی:

"أنتم أعلم بأمر دنیاکم" (تم دنیا کے معاملات میں مجھ سے زیادہ جاننے والے ہو۔)

یہ تربیتی ہدایت دراصل ایک عظیم علمی اصول ہے،کہ دینی و دنیاوی علوم میں تفریق نہیں، بلکہ تخصیص ہے۔

آج اگر ہم نے سائنس کو دین سے جدا نہ کیا ہوتا، تو آج ہم علم، تحقیق، اور ترقی میں بھی اقوامِ عالم کے رہنما ہوتے۔

(2) سماجی زاویہ:

سماج تب ہی ترقی کرتا ہے جب اس کی بنیاد عدل، مساوات، اور اخلاق پر ہو۔ مگر آج ہمارا معاشرہ طبقاتی تقسیم، نسلی امتیاز، اور مفاد پرستی و عہدہ طلبی کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔

حدیث: "انما اهلك الذين قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه و اذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد."

(تم سے پہلے کی قومیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ وہ طاقتور کو چھوڑ دیتے اور کمزور پر حد جاری کرتے۔)

آج ہمارا عدالتی، تعلیمی، تنظیمی اور معاشی نظام بھی اسی بیماری میں مبتلا ہے۔
ترقی محض انفرااسٹرکچر سے نہیں، بلکہ اخلاقی و سماجی عدل سے آتی ہے۔

نئی نسل اور حدیث کا رشتہ

حدیث کا تعلق صرف مدارس یا علماء سے نہیں، بلکہ یہ ہر فرد، ہر طالبعلم، ہر پروفیشنل کی زندگی کا مرکز ہونا چاہیے۔
مگر آج کی نسل سوشل میڈیا کے طوفان میں ایسی گم ہوئی ہے کہ حدیث کی روشنی اسے اجنبی لگتی ہے۔
ضرورت اس بات کی ہے،کہ ہم احادیث کو جدید تعلیمی نظام کا حصہ بنائیں، انکے مقاصد کو زندگی سے ہم آہنگ کریں، اور نوجوانوں کو بتائیں کہ سنتِ نبوی صرف تابناک ماضی کی کہانی نہیں، یہ مضبوط حال کی رہنمائی اور روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔
خلاصہ مدعا: حدیثِ رسول فقط الفاظ کا مجموعہ نہیں، بلکہ وہ حیاتِ نو کی کنجی ہے۔
اگر ہم سنجیدگی سے احتسابِ نفس کریں، اجتماعی شعور بیدار کریں، فقہی و علمی بصیرت سے کام لیں، اور سائنسی و سماجی ترقی کے اصولوں کو اپنا لیں، تو زوال کو عروج میں بدلا جا سکتا ہے۔امت مسلمہ کو آج جس رہنمائی کی ضرورت ہے، وہ نہ صرف قرآنی تعلیمات میں ہے، بلکہ حدیثِ رسول کی روشنی میں ایک عملی، فکری، اور متوازن نظامِ زندگی میں بھی موجود ہے۔
شاعر کیا خوب کہا ہے:

ہر ابتدا سے پہلے ہر انتہا کے بعد
ذات نبی بلند ہے ذات خدا کے بعد

حوالہ جات:

حوالہ جات:

1. صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

2. صحیح مسلم، کتاب القضاء

3.امام شافعی، الرسالہ

4.ابن خلدون، مقدمہ

5.مولانا شبلی نعمانی، سیرۃ النبی

6.ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور

7.علامہ اقبال، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ

8.معاصر سوشیالوجی و پالیسی مطالعات

==================

ڈائیریکٹر المرکز العلمی للافتاء والتحقیق

سوپول بیرول دربھنگہ بہار انڈیا.

24/05/2025

muftitmufti@gmail.com

+918789554895

کہانی ایک باپ کی ـــــــــــ بقلم :- مولانا محمد اسحاق حلیمی قاسمی

شیخ علی الطنطاوی،جو بیسویں صدی کے ایک نامور عربی اسلامی ادیب ہیں، نے اپنی کتاب قصص من الحیاۃ میں ایک مظلوم باپ کی دل خراش داستان نقل کی ہے، جسے پڑھ کر آنکھیں برسنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اس میں ایک باپ کی قربانی اور محبت کا عکس بھی ہے اور آرزوؤں کو خون ہوتے دیکھنے کا درد بھی۔اس واقعے کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ــ**ترجمانی :- محمد اسحاق حلیمی قاسمی**

ایک دن جب کہ میں عدالت سے نکلنے کے لیے اپنی مخصوص چادر پہن چکا تھا، ایک عمر دراز شخص اپنے پیروں کو گھسیٹتے ہوئےاندر داخل ہوا، جس میں کمزوری اور بڑھاپے کی وجہ سے چلنے کی سکت نہیں تھی۔ اس نے سلام کیا اور میز کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا، "میری درخواست پہلے اللہ سے ہے، پھر آپ سے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرا قصہ سنیں اور میرے حق میں اس شخص کے خلاف فیصلہ کریں جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔"

میں نے کہا، "تشریف رکھیے، آپ کہیے، میں سن رہا ہوں۔" اس نے کہا، "پہلے آپ مجھے بیٹھنے کی اجازت دیں، بخدا مجھ میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں ہے۔" میں نے کہا، "آپ کو بیٹھنے سے کس نے منع کیا ہے؟آپ بالکل بیٹھیں،کیونکہ حکومت نے اس عدالت میں یہ کرسیاں اور شاندار صوفے اس لیے نہیں لگائے کہ بیکار لوگ آکر اسے قہوہ نوشی کا اڈہ بنائیں۔ یہ آپ جیسے لوگوں کے لیے رکھے گئے ہیں جو کھڑے نہیں رہ سکتے۔ لہذا

آپ آرام سے بیٹھیں، کیونکہ یہ حکومت کی کرسی ہے، میرے باپ دادا کی کرسی نہیں، اور آپ اپنی بات بیان کریں۔"

اس شخص نے کہا، "میں اپنا قصہ شروع سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔آپ سے میری درخواست ہے کہ اپنے صبر کا دامن کشادہ رکھیں۔ میری وجہ سے آپ کا دل تنگ نہ ہو۔ میں ایسا آدمی ہوں جسے جوانی کے زمانے سے ہی اچھی طرح اپنی بات کہنا نہیں آتا، اور اب جب کہ میں اس عمر کو پہنچ چکا ہوں اور مجھ پر اتنی مصیبتیں ٹوٹ چکی ہیں، اتنی بیماریوں نے مجھے گھیر لیا ہے، میں بھلا کیسے اپنی بات اچھی طرح کہہ پاؤں گا؟ لیکن میں جو بھی کہوں گا، سچ کہوں گا۔"

میرا قصہ یہ ہے کہ میں جوانی میں ایک گمنام آدمی تھا۔ فلاں محلے میں اپنے گھر سے اپنی دوکان پر جاتا تھا، جس میں میں موسمی سبزیاں اور پھل جیسے بیگن، انگور وغیرہ بیچتا تھا۔ نفع میں مجھے کچھ سکے مل جاتے تھے، جس سے میں اپنے لیے روٹی اور گوشت خریدتا تھا۔ جو سبزیاں میرے پاس بچ جاتی تھیں،انہیں گھر پر پکا لیا جاتا تھا اور ہم لوگ کھا لیتے تھے، پھر اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سو جاتے تھے۔ نہ ہمیں کوئی فکر رہتی تھی، نہ ہم اگلے دن کے بارے میں سوچتے تھے، نہ ہمارا کسی سے کچھ تعلق تھا، نہ حکومت سے کوئی لینا دینا تھا۔ نہ ہم کسی سے کچھ سوال کرتے تھے، نہ کوئی ہم سے کچھ مطالبہ کرتا تھا۔

میں نے نہ تو علم حاصل کیا تھا اور نہ کبھی مدرسہ میں بیٹھا تھا، لیکن میں اتنا جانتا تھا کہ نماز کیسے پڑھنی ہے، اپنی فرض نماز کیسے ادا کرنی ہے، اور مجھے اپنے پیسے گننا آتا تھا۔

میں نے اپنی پوری عمر گزاردی، لیکن کبھی کسی کو دھوکہ نہیں دیا اور نہ کوئی چوری کی،

ور حلال مال کے سوا کچھ نہیں کمایا۔ زندگی کے آرام میں صرف ایک کمی تھی کہ میری کوئی اولاد نہیں تھی۔ تو ہم نے وسائل آزمائے، دایاؤں سے اس سلسلے میں رجوع کیا۔

ہمارے محلے میں کوئی ڈاکٹر نہیں تھا اور نہ ہمیں اس کی ضرورت پڑتی تھی، کیونکہ جڑی بوٹیاں ہمیں ڈاکٹر اور دواخانے سے بے نیاز رکھتی تھیں۔ اگر ہمیں کبھی کوئی دانت اکھڑوانے کی ضرورت پڑ گئی تو اس کے لیے ہمارے محلے کا نائی کافی تھا، اور رہا عورتوں کا مرض تو اس کام کے لیے ایک دایا تھی، اللہ رحم فرمائے محلے کی دایا ام عبد نافع پر، جو 40 سال سے حاملہ عورتوں کی ولادت کروا رہی ہیں، حالانکہ انہوں نے کچھ پڑھا ہے نہ لکھا ہے۔ہاں،تو میں کہہ رہا تھا کہ میں نے دایاؤں سے اور بوڑھی عورتوں سے بھی اولاد کے حصول کے بارے میں معلوم کیا۔انہوں نے ہمیں کچھ نسخے بتائے، ہم نے ان پر عمل کیا۔ مشائخ کے پاس گئے،انہوں نے ہمارے لیے تعویذ لکھے،جن کو ہم اپنے گلوں میں لٹکاتے تھے، جن سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ (لہذا ہمارے پاس دعاؤں کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ آخر کار بڑی دعاؤں اور آرزوؤں کے بعد میری بیوی امید سے ہوئی۔)

اپنی بیوی کو آرام دینے کے لیے گھر کے بھاری کام میں خود انجام دینے لگا، اس ڈر سے کہ کہیں اس کا حمل نہ ساقط ہو جائے۔میں اس کی عزت کرتا اور اس سے لاڈ پیار کرتا۔ ہم ایک ایک دن اور گھنٹے شمار کرتے رہے، یہاں تک کہ ولادت کی رات آگئی۔ میں بچے کے انتظار میں پوری رات جاگتارہا اور جب صبح روشن ہوئی تومیں نے بچے کے رونے کی آواز سنی۔دایا ام عبدنافع نے کہا، "ابو ابراہیم، خوشخبری ہو، آپ کے یہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔" اس وقت میری جیب میں صرف ایک ریال تھا،فرط مسرت کی وجہ سے میں نے وہ ریال دایا کو دے دیا۔

اس کے بعد ہم ناز اور لاڈ پیار کے بستر پر بچے کو کھلانے لگے۔اگر وہ ہنستا تو ہماری زندگی ہنس پڑتی۔ اگروہ روتا تو اس کے رونے سے پورا گھر ہل جاتا۔ اگر وہ بیمار پڑتا تو ہمارا دن تاریک ہو جاتا اور زندگی کا مزہ کرکرا ہو جاتا۔ جب بھی وہ ایک انگل کے بقدر بڑھتا تو ہمارے لیےعید ہو جاتی تھی۔ جب بھی وہ کوئی ایک لفظ اپنی زبان سے بول دیتا تو ہمیں نئ خوشی کا احساس ہوتا۔ اگر وہ کوئی چیز مانگ لیتا تو ہم اس کی خواہش کو پورا کرنے میں جی جان نچھاور کر دیتے۔

وہ اسکول جانے کی عمر کو پہنچ گیا تو اس کی امی نے کہا، "اب بیٹا بڑا ہو گیا ہے، اب اس کا کیا کیا جائے؟" میں نے کہا، "اسے میں اپنی دوکان پر لے جاؤں گا، وہ بہلا رہے گا اور کام بھی سیکھ جائے گا۔" میری بیوی کہنے لگی، "کیا وہ سبزی فروش بنے گا؟" میں نے کہا، "کیوں نہیں، کیا وہ اپنے باپ کے پیشے سے دامن چھڑائے گا؟"

میری بیوی نے کہا،"ہرگز نہیں، بخدا ہم ضرور اس کا داخلہ اسکول میں کرائیں گے، جیسے ہمارے پڑوسی سموحی بک کا بیٹا عصمہ اسکول میں پڑھتا ہے۔ میری تمنا ہے کہ میرا بیٹا کوئی سرکاری ملازم بن جائےاور عہدے داروں کی طرح سوٹ بوٹ اور ٹوپی میں ملبوس ہو۔" میری بیوی نے عجیب طریقے سے اصرار کیا تو مجھے بھی اس کی موافقت کرنی پڑی اور میں نے بچے کو اسکول میں داخل کرا دیا۔

میں اپنے منہ کا نوالہ روک کر اسے کتابوں کے پیسے دیتا تھا۔ وہ پہلے درجے میں پہنچا تو اس کے اساتذہ نے اسے پسند کیا، اس کی حوصلہ افزائی کی اور وہ آگے بڑھتا گیا۔

وہ امتحان میں کامیاب ہوا اور پرائمری کی ڈگری حاصل کر لی۔

میں نے اپنی بیوی سے کہا، "خاتون! ابراہیم نے ڈگری حاصل کر لی ہے، اتنی پڑھائی

ہمارے لیے بھی اور اس کے لیے بھی کافی ہے۔ اب مناسب ہے کہ وہ دوکان پر جانا شروع کر دے۔" بیوی نے کہا، "ارے ناس ہو دوکان کا، میں اس کا مستقبل اور اس کی تعلیم کو ہرگز برباد نہیں ہونے دوں گی۔"*

اسے اب سیکنڈری اسکول میں داخل کرانا ہے۔ میں نے کہا، "خاتون، یہ باتیں تمہیں کس نے سکھائی ہیں؟ اس کا کیا مستقبل ہوگا، اس کی کیا تعلیم ہو پائے گی؟ کیا وہ اپنے باپ دادا کے پیشے سے دور بھاگے گا؟" اس کی ماں نے کہا، "کیا آپ نے ہماری پڑوسن ام عصمہ کے بارے میں نہیں سنا، کس طرح وہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے مستقبل اور اس کی تعلیم کو بہتر کرے؟" میں نے کہا، "خاتون! یہ سب فضول باتیں چھوڑ دو، ہم عام لوگ ہیں، ہمیں ان لوگوں کی نقالی سے کیا حاصل ہوگا؟" اس پر وہ چیخنے چلانے لگی اور ہمیں بیٹے کو سیکنڈری اسکول میں داخل کرنا پڑا۔

چنانچہ اس کے خرچے بھی بڑھ گئے، پھر بھی میں خوشی خوشی اسے خرچ دیتا رہا، یہاں تک کہ اس نے بی اے کی سند حاصل کر لی۔ میں نے کہا، "کیا کچھ اور رہ گیا ہے؟" تو لڑکے نے کہا، "ہاں بابا، میں یورپ جانا چاہتا ہوں۔" میں بولا، "یورپ؟ یورپ کیا بلا ہے؟" اس نے کہا، "ابا، مجھے پیرس جانا ہے۔" میں نے کہا، "اللہ کی پناہ، کیا تم کفار کے ملک میں جاؤ گے؟ خدا کی قسم یہ تو نہیں ہو سکتا۔* *میرا بیٹا اصرار کرنے لگا اور اس کی ماں بھی اس کی حمایت کرنے لگی ، جب اس کی ماں نے دیکھا کہ میں نرم نہیں ہو رہا ہوں تو اس نے اپنی شادی کے کنگن اور بالیاں بیچ دیں، حالانکہ وہی اس کی زندگی کا کل اثاثہ تھا جو اس نے اپنے لیے بنا رکھا تھا۔ اس کی ساری قیمت بیٹے کو دے دی۔ چنانچہ میری ناگواری کے باوجود میرا بیٹا سفر پر چلا گیا۔

میں اس پر غصہ رہا اور ایک مدت تک میں نے اس سے تعلق توڑے رکھا۔ میں اس کے خطوط کا جواب نہیں دیتا تھا۔ پھر میرا بھی دل نرم ہو گیا، اور آپ کو پتہ ہی ہوگا کہ باپ کا دل کیسا ہوتا ہے۔ چنانچہ میں اس سے خط و کتابت کرنے لگا۔ میں پوچھتا کہ اسے کیا چاہیے، تو وہ ہمیشہ مطالبہ کرتا کہ میرے لیے 20 لیرہ بھیج دو، مجھے 30 لیرہ بھیج دو۔ تو میں اور اس کی ماں کئی کئی راتیں روکھی روٹی پر گزار دیتے تھے، لیکن وہ جو مانگتا تھا، اسے بھیجتے تھے۔

اس کے ساتھی گرمی میں گھر واپس آتے تھے، لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں آتا تھا۔ میں اسے بلاتا تھا تو وہ سبق کے زیادہ ہونے کا عذر کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ نہیں چاہتا کہ اس کا وقت سفر میں ضائع ہو۔ پھر وہ بڑھتے بڑھتے سو لیرہ مانگنے لگا۔ آخری مرتبہ معاملہ اتنا بڑھ گیا کہ اس نے 300 لیرہ کا مطالبہ کر دیا۔

جناب، آپ تصور کریں کہ کہاں 300 لیرہ اور کہاں وہ سبزی فروش جس کی ساری تجارت کی پونجی بھی 20 لیرہ کے برابر نہیں تھی اور اس کے دن بھر کا نفع ایک لیرا سے کم تھا۔ جب کہ ان دنوں چیزوں کے بھاؤ بھی گرے ہوئے تھے، بیروزگاری عام تھی۔ حالت یہ تھی کہ اگر کوئی بیماری ہو جاتی تھی تو میں اور میری بیوی بھوکے رات گزار دیتے تھے۔

چنانچہ میں نے اسے خط لکھ کر اپنی عاجزی ظاہر کی اور اسے نصیحت کی کہ تم اپنے ساتھیوں کی نقالی مت کرو، ان کے گھر والے مالدار ہیں، جب کہ ہم غریب ہیں۔ تو اس نے جواب میں فوری طور پر ایک تار بھیجا کہ اسے اتنا پیسہ فوراً چاہیے۔

شیخ، آپ کو تعجب ہوگا کہ مجھے اپنی زندگی میں کبھی تار نہیں ملا تھا۔ تو جب ڈاکیہ نے

دروازہ کھٹکھٹایا اور تار کا پیغام میرے حوالے کیا اور اپنے رجسٹر میں میرا انگوٹھا لگوایا تو خوف کی وجہ سے میرا کلیجہ بیٹھ گیا۔میں سمجھا کہ یہ عدالت کی طرف سے کوئی بلاوا ہے۔ میں نے ڈاکیہ سے فریاد کی اور رونے لگا، تو وہ کمبخت مجھے دیکھ کر ہنسنے لگا اور چلا گیا۔

ہم نے وہ رات بہت مشکل سے گزاری۔ ہمیں نہیں پتہ تھا کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔

ہمیں پڑھنا بھی نہیں آتا تھا کہ ہم پڑھیں کہ اس پیلے کاغذ میں کیا لکھا ہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور ہمیں ذرا بھی نیند نہیں آئی۔ میں فجر کی نماز کے لیے نکلا تو میں نے وہ پیغام اپنے ایک پڑوسی کو دیا۔ اس نے اسے پڑھا اور مجھے خبر بتائی اور مجھے نصیحت کی کہ تم اتنی رقم بھیج دو، ہو سکتاہے لڑکا کسی مشکل میں ہو اور اسے پیسوں کی ضرورت ہو تو میں نے اپنا گھر آدھی قیمت میں بیچ دیا۔ شیخ، کیا آپ سن رہے ہیں؟ میں نے اپنا گھر 100 لیرہ میں بیچ دیا،جب کہ وہ میری زندگی کی کل کائنات تھی۔ بقیہ رقم ایک یہودی ساہوکار سے فی لیرا کے نو سکے ماہانہ سود پر قرض لی، یعنی سال کے آخر میں 100 لیرہ بڑھ کر 280 ہو جاتا۔ میں نے وہ رقم اپنے بیٹے کو بھیج دی اور اسے کہہ دیا کہ بیٹا، میں مفلسی کا شکار ہو گیا ہوں، اب میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں رہ گئی۔

اسکے بعد تین سال گزر گیا، لیکن اس کا کوئی خط نہیں آیا۔ میں نے اس کے پاس جو ڈھیر سارے پیغامات بھیجے،اس نے اس کا جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ اس کے سفر پر مکمل سات سال گزر گیا اور میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ میں بغیر گھر کے رہ گیا اور سود پر قرض دینے والا میرے پیچھے لگ گیا، لیکن میں قرض کی ادائیگی سے عاجز تھا۔

*چنانچہ اس نے میرے خلاف عدالت میں دعویٰ کیا اور حکومت نے اس کی حمایت کی، اس لیے کہ اس نے کچھ ایسے کاغذات دکھلائے جن کے بارے میں مجھے نہیں معلوم تھا

کہ وہ کیا ہیں۔ تو انہوں نے مجھ سے پوچھا، "کیا تم نے ان کاغذات پر اپنا انگوٹھا لگایا تھا؟" میں نے کہا، "ہاں۔" تو انہوں نے میرے خلاف یہ فیصلہ دیا کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے، میں اسے دوں، ورنہ قید کر دیا جاؤں گا۔

شیخ، مجھے قید کر دیا گیا۔ ادھر میں قید ہو گیا اور ادھر میری بیوی اکیلی رہ گئی ،اللہ کے سوا اس کا کوئی نہیں تھا۔چنانچہ وہ لوگوں کے کپڑے دھو کر اور گھروں میں کام کاج کر کے زندگی گزارنے لگی اور ذلت کا پیالہ پینے پر مجبور ہو گئی۔

جب میں جیل سے باہر آیا تو ایک پڑوسی نے کہا، "کیا تم نے اپنے بیٹے کو دیکھا؟" میں نے کہا،"میرا بیٹا؟اللہ تمہارا بھلا کرے، وہ کہاں ہے؟" اس شخص نے کہا، "ارے بھائی، کیا واقعی آپکو نہیں پتاہے یا آپ ناواقف بن رہے ہیں؟وہ تو ایک بڑا سرکاری ملازم بن گیا ہے اور نئ کالونی میں اپنی فرانسیسی بیوی کے ساتھ ایک عالیشان گھر میں رہ رہا ہے" میں نے اپنے آپ کو آمادہ کیا اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر اس کے گھر گیا۔ زندگی میں ہماری بس یہی آرزو تھی کہ ہم اسے گلے لگا لیں، جس طرح اسے بچپن میں گلے سے لگایا کرتے تھے۔ ہماری خواہش تھی کہ اس لمبے فراق کے بعد ہم اسے سینے سے لگا کر اپنے دل کو آسودہ کر لیں۔ چنانچہ جب ہم نے اس کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، تو ایک خادمہ نے دروازہ کھولا اور جب ہمیں دیکھا تو ہماری شکل و صورت سے ناگواری کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ لوگوں کو کیا چاہیے؟

ہم نے کہا، "ہمیں ابراہیم سے ملنا ہے۔" خادمہ نے کہا، "صاحب اپنے گھر میں اجنبیوں سے نہیں ملتے، آپ لوگ آفس چلے جائیں۔" میں نے کہا، "ارے بے ادب، ہم اجنبی نہیں ہیں، میں ابراہیم کا باپ ہوں اور یہ اس کی ماں ہیں۔"

میرے بیٹے نے شور سنا تو باہر نکلا اور کہا، "یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس کے پیچھے اس کی خوبصورت فرانسیسی بیوی بھی نکلی۔ جب اس کی ماں نے بیٹے کا چہرہ دیکھا تو بے اختیار رونے لگی اور کہا، "ابراہیم! میرے پیارے۔" اور اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے گلے لگانے کا ارادہ کیا۔

تو ہمارا بیٹا اپنی اس ماں سے الگ ہٹ گیا اور اس کے کپڑے پر جو اس کی ماں کا ہاتھ لگ گیا تھا، اسکو جھاڑنے لگا۔ اس نے اپنی بیوی سے فرانسیسی زبان میں کوئی بات کہی۔ ہم نے بعدمیں اس کا معنی معلوم کیا توپتہ چلا کہ اس کا مطلب تھاکہ یہ لوگ پاگل ہیں وہ اندر چلا گیا اور خادم سے کہا، "ہمیں بھگا دے۔" چنانچہ ہمیں اپنے بیٹے کے گھر سے بھگا دیا گیا۔

میں برابر اس کے پیچھے لگا رہا، حتیٰ کہ ایک مرتبہ میں اس سے چمٹ گیا۔ تو اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر تم نے کسی سے تذکرہ کیا کہ تم میرے باپ ہو تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ او آدمی! تمہیں کیا چاہیے؟ پیسے؟ ٹھیک ہے، میں تمہارے لیے ماہانہ ایک وظیفہ مقرر کر دیتا ہوں، بس شرط یہ ہے کہ تم مجھ سے نہ ملو اور کسی سے یہ مت کہنا کہ تم میرے باپ ہو۔

شیخ، میں نے وظیفہ لینے سے انکار کر دیا اور لوگوں سے بھیک مانگنے لگا۔ اس کی ماں لوگوں کے کپڑے دھونے لگی اور گھروں میں کام کاج کرنے لگی۔* *یہاں تک کہ ہم دونوں محنت کے لائق نہیں رہ گئے اور بڑھاپے اور کمزوری نے ہمیں معذور بنا دیا۔

اس لیے میں آپ کے پاس شکایت لے کر آیا ہوں۔ اب آپ بتائیں، ہم میاں بیوی کیا کریں؟

تو میں نے اس شخص سے کہا، "پہلے آپ اپنے اس بیٹے کا نام بتائیں اور بتائیں کہ اس کا پیشہ کیا ہے۔" تو اس شخص نے مجھے ناگواری کے ساتھ دیکھا اور کہا، "کیا آپ چاہتے ہیں کہ وہ مجھے قتل کر دے؟" میں نے کہا، "فیصلہ تو تبھی ہوگا جب آپ دعویٰ دائر کریں گے اور دعویٰ نام و پتے کے بغیر تو نہیں ہو سکتا۔"

تو اس شخص نے کہا، "پھر میں اپنی شکایت اللہ سے کروں گا۔"اور مایوسی کے ساتھ اپنے پیر گھسیٹتے ہوئے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ اس کے بعد وہ دوبارہ نہیں آیا۔

(قصص من الحیاۃ للطنطاوی، ص 71) 25/ذی قعدہ 1446

خودنوشت سوانح (ذاتی تعارف) بقلم :- مولانا عامر ملک سہارنپوری

میرا نام محمد عامر ، اتر پردیش سہارنپور میں محلہ کھاتہ کھیڑی سے تعلق ہے
میں نے حفظ تک کی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی مسجد میں ۔
پھر دور کی غرض سے ایک مدرسے میں داخل ہوا تو انہوں نے سن کر دیکھا تو کہا اسکا تو پہلے سے ہی قرآن اچھاہے تو مغربی یوپی کے مسابقہ کے فارم آئے تو میرا نام اسمیں لکھ دیا گیا ۔میں سب سے پوچھتا پھررہاتھا کہ مسابقہ کسے کہتے ہیں
خیر پھلت مولانا کلیم صدیقی کے مدرسے میں مسابقہ منعقد ہوا تو مجھ سے سوالات کیے گئے الحمدللہ قواعد بھی اور قراءت بھی بنا غلطی کے پڑھا
خاص بات یہ کہ ماحول بالکل جماہواتھامسابقہ ہال میں،میرےاستاذنے مجھے میرے دوسرے ساتھی کے پاس جانے کےلیے کہا جیسے ہی میں باھر نکلا تو مجمع میرے پیچھے پیچھے باھر نکل آیا اور مجھے اوپر کندھوں پر اٹھالیا
یہ کامیابی کی شروعات تھی اور سب نے مجھے اول پوزیشن کا خطاب پہلے ہی دےدیا لیکن بعض دفعہ ممتحن حضرات کے نمبر بھی آگےپیچھے ہو جاتے ہیں تو پوزیشن دوسری آئی پھر تین پوزیشن والے طلبہ کو آل انڈیا میں اکل کوا جانا تھا وہاں بھی الحمدللہ جاناہوا میرا نمبر آل انڈیا میں پڑھنے کا رات دیر سے آیا میرا نام بولا جارہاتھا بلانے کے لیے اور میں خرّاٹے کی نیند سو رہا تھا تو استاذ صاحب نے جگایا الحمدللہ اس میں بھی اچھا رہا
میری فرع کے تمام لوگ یہ کہتے تھے کہ اول پوزیشن اسکی پکی ہے ہمارے لیے دوم یا سوم کی دعاء کردو

لیکن وہاں بالترتیب تیسری پوزیشن مقدر میں تھی جسمیں سب کو حیرانی تھی کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے خیر اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے

یہ استاذ کی توجہ اور والدین کی خاص کر والدہ کی دعاؤں کا ثمرہ تھا

پھر جب گھر آگئے تو اس سال وہاں سعودی سے شیخ عبداللہ علی بصفر اور شیخ داؤد العلوانی اور بھی مہمان آئے تھے انہوں نے بچوں کی کارکردگی دیکھ کر ہندوستان سے اپنے یہاں ہونے والے عالمی مسابقہ میں شرکت کی اجازت دی

تو تین پوزیشن والے طلبہ میں تقابل ہوا

پھر آن لائن سعودی سے انٹرویو ہوا

سعودی والوں نے

اول پوزیشن والے اور دوم پوزیشن والوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سوم پوزیشن والے کو یعنی احقر کو اپنے یہاں عالمی مسابقہ میں شرکت کیلیے منتخب کیا اللہ کے فضل سے

تو ایسے ایسے میں عالمی مسابقہ تک پہونچا رمضان کا پورا مہینہ وہاں گزرا

چونکہ پہلی دفعہ کوئی ہندوستان سے جدہ میں ہونے والے عالمی مسابقہ میں گیا تھا اسلیے حضرت مولانا حذیفہ وستانوی صاحب خود میرے ساتھ گئے تھے ہمارا پورا سفر ایک ساتھ ہی تھا ،میں چھوٹا سا تھا زبردستی روزے رکھوائے مجھ سے

انہوں نے ہی مجھے روزہ رکھنے ترغیب دی

خیر وہاں بھی میری کارکردگی کافی اچھی رہی مولانا حذیفہ وستانوی صاحب نے بہت تعریف کی تھی جب میں عالمی اسٹیج سے پڑھ کر آیا گلے لگایا ماشاءاللہ مبروک وغیرہ کہا،

عالمی مسابقہ میں دس پوزیشن تک امتیازی حیثیت رہتی ہے

تو الحمدللہ میرا چوتھا نمبر آیا تھا سند کا۔فوٹو بھیجوں گا ان شاءاللہ

یہ بتایا گیا کہ ایک فرع آیت نمبر سے پڑھنے والوں کی تھی اسمیں فرع مکمل نہ ہوئی تو
ان کو ہماری فرع میں شامل کر دیا گیا ورنہ میری پوزیشن دوم تھی اور عرب کے لڑکے
کی اول پھر ان دو کو ملا کر عرب کے لڑکے کی تیسری میری چوتھی پوزیشن ہوگئی
خیر ورلڈ میں چوتھا ہونا بھی اللہ کا بڑا فضل ہے -----
انعام ملا تھا قرآن تھا ایسا کہ قلم کو قرآن پر جس جگہ رکھو وہ قلم قرآن پڑھتا ہے اور
عمرہ انعام میں ملا اگلے سال پھر سے عمرے کے لیے بلایا گیا تھا --
اور الحمدللہ سعودی اخبار میں احقر کا فوٹو بھی آیا تھا
نیز سعودی کی مختلف بڑی مساجد میں قراءت کرنے کا شرف حاصل ہوا جسمیں مسجد
قبلتین شامل ہے
اور مسجد قباء میں بھی گئے تھے اسکا پکا ذہن میں نہیں ہے وہاں قراءت ہوئی تھی یا
نہیں لیکن وہاں اعزاز کے ساتھ گئے تھے
نیز عرب کی بڑی بڑی پارٹیاں ملی قرآن کی برکت سے عجیب عجیب ،ایک جگہ ایسی
دعوت تھی وہاں اتنے کھانے تھے جتنے انسان نہیں تھے۔کھلونے بھی بہت دیے گئے تھے
ایک سے ایک عطر ،کچھ آج بھی رکھے ہوئے ہیں
خیر یہ سب میری کہانی میں شامل ہے یہ سب عزت قرآن کی بدولت حاصل ہوئی
میں کہاں غریب گھرانے کا کرائے پر رہنے والا اور کہاں تک قرآن نے پہونچا دیا الحمدللہ ۔
میرے اساتذہ نے بہت محنت کی ،میرے دور اتنے تھے کہ مجھے بھی نہیں معلوم ،
ہر جمعرات کو پورے مدرسے کی چھٹی رہتی گھنٹہ لگتے ہی مجھے ممبر پر بٹھادیا جاتا اور تمام
اساتذہ سوالات کرتے چھٹی تک ایسے ہی چلتا
اتنی محنت کرائی کہ میری ہائٹ بھی جام ہو گئی تھی ،

حضرت مولانا مکرم سنسارپوری شیخ عاقل اور بھی بڑے اکابرین کی خاص توجہ حاصل تھی
ان ایام میں ، سہارنپور کے اخبار میں بھی احقر کے بارے میں خبر آئ تھی۔
پھر اسکے بعد بھی مختلف جگہ مسابقہ میں شرکت کی دھولیہ،مہاراشٹر،ممبئ وغیرہ ،
پھر مولانا حذیفہ وستانوی نے مجھے اکل کوا پڑھنے کے لئے ابو کے سامنے بت رکھی پہلے بہت مشورے ہوئے پھر میں وہاں پڑھنے گیا احقر اکلکوا میں وی آئی پی کے نام سے مشہور تھا
مہمان خانے میں الگ سے روم تھا میرے پاس اور کھانا بھی سب سے الگ ،مولانا حذیفہ اور مولانا غلام وستانوی رح کی توجہات کی وجہ سے ہر ایک کو مجھ سے الگ لگاؤ تھا سب محبت سے رکھتے تھے میں مولانا حذیفہ کے بچوں کے ساتھ بہت لڑتا تھا ہم میں لڑائیاں ہوتی تھی انکو کچھ کہنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی میرے علاوہ
تو سب کا رویہ بہت اچھا تھا میرے لیے
ناظم مطبخ حافظ عبد الصمد کا وہاں سب سے زیادہ رعب ہے اساتذہ بھی ڈرتے ہیں ان سے لیکن میں انکے سامنے بیٹھ کر ان سے باتیں بناتا تھا اور وہ بھی مجھے محبت دیتے تھے مولانا حذیفہ نے انکو سمجھا دیا تھا اسلیے ،بلکہ وہ بعض دفعہ احقر سے پوچھ کر کھانا بنواتے تھے مدرسے میں کہ کیا اچھا لگتا ہے میں جو کہتا وہی پورے جامعہ میں بنوادیتے
اگلا آل انڈیا مسابقہ آیا کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی اساتذہ تک کو بھی نہیں mbbs college میں ہوا تھا احقر کو بنا کارڈ کے اسمیں بھی بلکہ ہر جگہ داخلے کی اجازت تھی ، ممبئ کے تاج ہوٹل میں کویت کے بادشاہ کے گھرانے سے آئے تھے تو احقر نے انکے لیے عربی میں استقبالیہ انشودہ پیش کیا تھا۔

مولانا غلام وستانوی رح کے ساتھ ہی ہوا تھا یہ والا سفر بھی ممبئ تک کا
حضرت والا کہ بہت خصوصی توجہات تھی احقر پر
مولانا حذیفہ کو چچا کہتا تھا وہ میرے والد کی طرح رکھتے تھے بلکہ ان سے بھی بڑھ کر
الغرض مولانا غلام و مولانا حذیفہ وستانوی نے مجھے شاہانہ زندگی دی اکلکوا میں
اور میں نے اسکی قدر نہیں کی وہاں سے آگیا تھا کسی کے بھی سمجھانے پر نہیں گیا تھا
بچہ تھا۔

ایک کردار ساز شخصیت سے ملاقات بقلم :- مولانا محمد یوسف قاسمی ندوی

بتاریخ 18/مئی 2025ء مطابق 19/ذی قعدہ 1446ھ بروز اتوار مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی،مبارک پورمیں ایک شخصیت سے ملاقات کا مجھےوہ شرف حاصل ہواجسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے، اُن کی مجلس میں بیٹھنا ایسا تھا گویا علم، اخلاص، حلم اور بردباری کا مجسمہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

ان کی باتوں میں سادگی بھی تھی، گہرائی بھی، نرمی بھی تھی اور روحانی اثر بھی۔ ایسا لگا کہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ دل کی گہرائیوں میں اُترتے جا رہے ہیں۔

اُن کی گفتگو صرف علمی نہیں تھی، بلکہ تربیتی بھی تھی، ایسی رہنمائی جو بظاہر سادہ لگے، مگر انسان کی زندگی کا رخ بدل دے۔

ان کی شخصیت میں وقار، سنجیدگی و متانت کے ساتھ گفتگو میں جوشفقت و لطافت ہے وہ آج کے دور میں کم یاب ہے۔ ان سے ملاقات صرف ایک نشست نہیں تھی، بلکہ اخلاص، محبت، اور خدمتِ دین کا ایک درس تھی،

یقیناً آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کون شخصیت تھی جو ان تمام صفات کی حامل تھی، تو سنیے!

وہ شخصیت مولانا ڈاکٹرمحامد ہلال صاحب اعظمی کی ذات گرامی تھی،جو استاذ گرامی حضرت مولاناضیاءالحق صاحب خیرآبادی(حاجی بابو) سےملاقات کےلئے مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی، مبارک پور،میں تشریف لائے تھے،کسی ضرورت سے ناچیز راقم الحروف دفتر نظامت میں گیا تو ڈاکٹر صاحب استاذ گرامی سے محو کلام تھے فوراً استاذ محترم حاجی بابو گویا ہوئے کہ

یہ بھی کلام ساحر کے رسم اجراء کی تقریب میں حاضر تھے، ڈاکٹر صاحب نے ہونٹوں پے مسکان سجائے ہوئے کہا "جی ملاقات ہوئی تھی"، وہیں پر مربیانہ صفات کے حامل مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی بھی موجود تھے ناچیز کی قلمی کاوشوں کو سراہتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے سامنے تعارفی کلمات پیش کرکے متعارف کرایا، اور مجھ ناچیز سے ملاقات پر ایک مختصر نوٹ لکھنے کی فرمائش کی،

بہرحال آپ جیسے باوقار عالمِ دین سے ملاقات یقیناً ایک روح پرور اور یادگار تجربہ ہوتا ہے۔ ایسے اصحابِ علم و عمل سے مل کر دل کو سکون، ذہن کو وسعت، اور روح کو تازگی ملتی ہے۔

جن کی نظر سے علم وحکمت کے چراغ جلتے ہیں
ایسے علماء کی صحبت میں لمحے بھی سنہرے لگتے ہیں

اللہ تعالیٰ مولانا کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائے اور ہمیں ان جیسے علماء سے استفادہ کی توفیق دیتا رہے۔

مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال صاحب اعظمی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، طبقہ اہل علم ان کی علمی و ادبی اور خدمات سے بخوبی واقف ہے حضرت سے تین چار بار ملاقات ہے، پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب مدرسہ ہذا کے ایک پروگرام میں آپ کی شرکت ہوئی تھی، جس میں طلبہ کے درمیان کارآمد اور مفید باتیں بیان کی تھیں، حضرت والا کی زبان سے نکلے ہوئے جملے بڑے موثر اور سحر انگیز تھے جو آپ کی علمی گیرائی کے عکاس تھے بروقت ناچیز نے اس کو محفوظ کرلیا تھا،

ڈاکٹر صاحب نے علمی اور دینی وملی خدمات کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا ہے جس

کیلیۓ وہ شاہین کا جگر اور عقابی پرواز رکھتے ہیں اور ہمت و حوصلہ کے ساتھ انسانی معاشرہ کو دینی تعلیمات سے روشناس کرانے اور شرعی احکامات سے نابلد لوگوں کو پابند عمل بنانے میں جفاکشی کا مظاہرہ کرتے ہیں، ہمت افزائی و رجال سازی تو آپ کا طرہ امتیاز ہے،

وہ الفاظ سے کردار بناتا ہے
سوچ کو بلند افکار بناتا ہے
پروفیسر ہے وہ، فقط پڑھاتا نہیں
بلکہ انسانوں کو شاہکار بناتا ہے

ڈاکٹر صاحب شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ کے چیئرمین ہیں یہ حیدرآباد دکن میں واقع ایک تعلیمی و فلاحی ادارہ ہے جو اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے مختلف سرگرمیوں کا انعقاد کرتا ہے، جن میں مشاعرے، علمی نشستیں، اور خصوصی شماروں کی اشاعت شامل ہیں۔

اس ادارہ کے زیر اہتمام "صدائے شبلی حیدرآباد" ایک اردو ماہنامہ رسالہ شائع ہوتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محامد ہلال صاحب اعظمی ہی ہیں، یہ رسالہ ادب، تحقیق، تنقید، سوانح، اور شبلی نعمانی کے افکار و خدمات کو فروغ دینے کے لیے وقف ہے۔ ریختہ فاؤنڈیشن کی ویب سائٹ پر "صدائے شبلی" کے متعدد شمارے دستیاب ہیں،

اسی ٹرسٹ کے زیر اہتمام ایک دینی و عصری ادارہ مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادی عمر شاہین نگر، حیدرآباد میں علمی و دینی خدمات انجام دے رہا ہے، جس کے ناظم خود ڈاکٹر صاحب کی ذات گرامی ہے،

حالہ میں 16/مئی 2025ء بروز جمعہ ڈاکٹر صاحب کے تعاون سے مولانا شکراللہ اکیڈمی

کے زیراہتمام رائل پیلس مبارک پور میں "کلام ساحر" کے رسم اجراء کی ایک تقریب "ایک شام حضرت مولانا محمد عثمان صاحب ساحر کے نام" سے منعقد ہوئی تھی اس کتاب کے مرتب خود ڈاکٹر صاحب کی ذات گرامی ہی ہے اور اس کتاب کی اشاعت میں استاذ گرامی مولانا ضیاء الحق صاحب خیرآبادی کا بھی اہم کردار رہا ہے بارہ سال کے بعد استاذ محترم کی انتھک کوششوں سے مزید اضافہ کے ساتھ شائع کی گئی، فجزاھما اللہ خیرا۔ اللہ تعالی اس کی افادیت کو عام اور تام کرے، اور اس کتاب کو مرتبین کے لئے آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے، آمین

تحریر: 18/مئی 2025ء مطابق 19/ذی قعدہ 1446ھ بروز اتوار

ٹوٹتے بندھن، برباد ہوتے چمن (دو افسوس ناک واقعے) بقلم :- مولانا طہ جون پوری

کسی بھی سماج اور سوسائٹی کے اچھا ہونے کے لیے ضروری ہے، کہ سماج کے افراد اچھے ہوں، کیوں کہ سماج ومعاشرہ، فرد سے ہی مل کر بنتا ہے. لیکن جب افراد ہی خراب ہونے لگ جائیں، تو سماج و معاشرے کو برباد ہونے سے شاید کوئی نہیں بچا سکتا. بس خدا رحم فرمائے. مندرجہ ذیل دو واقعہ پڑھیں اور اندازہ کریں. آج کیا ہورہا ہے.

پہلا واقعــہ..! ایک تازہ رپورٹ کے مطابق، ممبئی کے مالونی میں ایک 30 سالہ لڑکی کا، 19سال کے لڑکے سے افیر / معاشقہ چل رہا تھا، خاتون اپنی 2.5 ڈھائی سال کی لڑکی سے چھٹکارا چاہتی تھی. بیٹی کی موت کے لیے، خاتون نے اپنے دوست سے، ریپ کرادیا، تاکہ وہ درد سے مر جائے. اور ہوا بھی ایسا ہی. پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق: موت کی وجہ ریپ اور دم گھٹنا بتایا گیا ہے. پولیس نے دونوں کو گرفتار کیا ہے. رپورٹ کے مطابق خاتون کا نام رینا شیخ اور لڑکے کا نام فرحان شیخ ہے. اب دونوں پوکسو قانون کے تحت گرفتار ہیں.

دوســرا واقعــہ..! صوبہ اترپردیش کے کان پور میں ایک خاتون نے اپنے ایک 4 سال کے بچے کو، گلے میں تعویز کے دھاگے سے کس کر گلا گھونٹ کر مار ڈالا. چہرے کے گوشت کو دانت سے کاٹا لڑکی کا نام منیشا یادو جسکی شادی سشیل سے ہوئی تھی، لیکن وہ گاؤں کے ہی اپنے عاشق وکاس یادو کے ساتھ بھاگ گئی تھی اور سمجھانے پر واپس آئی۔
پھر شوہر نے سمجھایا، تو ماں ڈائن بن گئی اور یہ کارنامہ سرانجام دیا.
اس طرح کے نا جانے کتنے واقعات ہیں اور ہر دن ہو رہے ہیں، جس نے سماجی بندھن

کو توڑ دیا ہے اور چمن کو برباد کردیاہے.اب سوال یہ ہے، کہ ان سب کاعلاج کیا ہے؟
چوں کہ سوشل میڈیا انٹرنیشنل واش روم ہے. اس لیے ساری گندگی وہیں سے آتی ہے.
اس گندگی سے خود کو بچانے کی سخت ضرورت ہے.

(1) بچوں کو سوشل میڈیا سے دور رکھیں.

(2) گانے اور مووی، سیریلز، کے نام پر، جو ننگا ناچ چل رہا ہے، اس سے خود کو دور رکھنے کی کوشش کریں.

(3) رشتوں کے تقدس کو پامال ہونے سے بچانے کی کوشش کریں.

(4) جہاں تک ہوسکے، اس عہد پر فریب میں خود کو ایک دوسرے سے قریب کرکے رکھیں.

(4) شیطانی جال سے گھر والوں کو بچائیں.

ایسا نہیں کہ اس کے علاوہ اور علاج نہیں، لیکن، دفع مضرت، جلب منفعت سے بہتر ہے، اسی لیے یہ اصول ہمیشہ سود مند رہا ہے. اس پر عمل پیر ہونے کی ضرورت ہے.
بقیہ اور بھی چیزیں ہیں، ان کو اپنانے کی بھی ضرورت ہے.
خدا ہم سب کی حفاظت فرمائے اور ہم سب کی عزت و آبرو کو سلامت رکھے.

تحفظ مدارس کنونشن ، کی مختصر روداد بقلم:-مولانا محمد حنظلہ رازی گورکھپوری

باسمہٖ تعالیٰ

جمعیۃ علماء وسطی زون کے زیر اہتمام منعقد ہونے والا اجلاس عام بعنوان : تحفظ مدارس کنونشن، مؤرخہ 23 ذیقعدہ 1446 مطابق 22 مئی 2025 بروز جمعرات، بمقام:مدرسہ اشرف العلوم جاجمؤ کانپور _(_زیرِ صدارت مولانا محمود مدنی صاحب_)

اس اہم اجلاس میں والد محترم حضرت مولانا مفتی محمد حمزہ صاحب گورکھپوری مدظلہم کے حکم پر... چار افراد پر مشتمل قافلہ جس میں مدرسۃ الأبرار کیمپیرگنج سے حافظ محمد اسامہ صاحب مدظلہ اور قاری محمد شاداب صاحب ، اور مدرسہ کلیمیہ الین آباد فارم سے احقر (حنظلہ رازی) اور مولانا عبدالقادر صاحب شریک ہوئے _

اوراسی طرح گورکھپورجمعیۃ علماء کے متحرک اورفعال رکن مفتی مطیع الرحمن صاحب قاسمی گورکھپوری مدظلہ نے بھی اپنے ادارے دارالایمان سے ایک وفد کو اجلاس میں شرکت کے لیے بھیجا.....

اس اجلاس میں حضرات علماء کرام نے مدارس کو لیکر موجودہ حکومت کی جو کاروائیاں سامنے آرہی ہیں اس افسوس ناک حالت پر اپنے اپنے انداز سے اظہار خیال فرمایا اور اس نازک صورتحال سے نمٹنے کے لیے کچھ لائحۂ عمل بھی تیار گیا اور جن باتوں پر ہمیں سختی سے عمل کرنا ہے انکی نشان دہی بھی کرائی گئی ہے، انہی چند باتوں پر اس وقت روشنی ڈالنا مقصد ہے تاکہ جو حضرات اس نظام میں شریک نہیں ہو سکے ان تک جمعیۃ علماء کا یہ اہم پیغام پہنچ جائے :

(1) سب سے پہلے اپنے مدرسے کے آمد و خرچ کا حساب و کتاب درست کریں اگر چہ اس کام کے لیے باتنخواہ ملازم ہی کیوں نا رکھنا پڑے،

(2) مدرسے کی عمارت کا نقشہ ہونا چاہیے اگرنہ ہو تو کوشش کرکے بلڈنگ کا نقشہ پاس کرالیں ، عمارت کے سلسلے میں سرکاری گائیڈ لائن کا بھی خیال رکھیں جیسے؛ پالوشن اور آگ سے بچاؤ کی حفاظتی تدابیر وغیرہ ،

(3) مدرسہ کی زمین ایک نمبر ہونی چاہیے _سرکاری زمین پر مدرسہ ہرگز بنا ہوا نہ ہو_ اور زمین کے کاغذات وغیرہ بالکل ٹھیک ہوں،

(4) حقوقِ اطفال :بچوں کی تعلیم گاہوں اور ہاسٹل (دارالاقامہ) وغیرہ میں صفائی ستھرائی کا بہترین نظام ہو اور اسی طرح بچوں کے کھانے، پینے کا بھی معیاری نظام ہو_ ساتھ ساتھ اس کی بھی ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے قریبی تھانے والوں سے جڑے رہیں، _ڈی ایم اور ایس ڈی ایم وغیرہ سرکاری اہل کار سے بات چیت کرنے میں گھبرائیں نہیں آپ اگر صحیح ہیں تو دو ٹوک انداز میں اپنی بات کو رکھیں_

بہت سی جگہوں سے ایسی بھی خبریں آئی ہیں کہ خوف کی وجہ سے مدرسہ بند کردیا نہ انکو نوٹس پہنچا نہ کچھ.. ایسا نہ کریں جب تک نوٹس وغیرہ نہیں آتا ہے تب تک از خود کوئی فیصلہ نہ کریں اور اگر نوٹس آتا ہے اور آپ قانونی اعتبار سے ٹھیک ہیں تو ڈی ایم سے حوصلہ کے ساتھ بات کریں پھر اس سلسلے میں آپ جمعیت سے بھی رابطہ کرکے مدد حاصل کریں _

اسی کے ساتھ ساتھ ان باتوں پر بھی توجہ دلائی گئی کہ جب مدارس کو لیکر حکومت کی نیت ہی ٹھیک نہ ہو تو کون کیا کرسکتا ہے! اس کے لیے خصوصی دعاؤں کا اہتمام کریں

اپنے تعلق کو اللہ تعالیٰ سے مضبوط کریں اور ہر طرح کی قربانیوں کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھیں _چونکہ ہربڑی تبدیلی ایک قربانی چاہتی ہے_

بہرحال : مجموعی لحاظ سے یہ پروگرام بہت کامیاب اور عمدہ رہا اگر اس موقع پر اس پروگرام کی میزبانی کرنے والے کا ذکر نہ ہو تو بڑی ناانصافی ہوگی جی ہاں؛ حضرت مولانا امین الحق عبداللہ اسامہ صاحب قاسمی کانپوری مدظلہ(نائب صدر جمعیتہ علماء اتر پردیش) نے اپنے زبردست حسن انتظام سے آئے ہوئے تمام مہمان علماء کرام کے دلوں کو جیتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں خوب جزائے خیر سے نوازے،

دعا ہے کہ :

اللہ تعالیٰ مساجد، مدارس، اور مکاتب دینیہ پر اپنا خصوصی فضل و کرم فرمائے اور ان کی حفاظت فرمائے، ہمارے اکابر علما کرام کے سائے کو بعافیت تادیر ہمارے سروں پر قائم دائم رکھے آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

شبلی لائبریری دیوبند (اعظمی لائبریری، طلبہ ضلع اعظم گڑھ دارالعلوم دیوبند)

بقلم :- مولانا عبدالعلیم الاعظمی

مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں انجمنوں کا پورا جال بچھا ہوا ہے، مرکزی انجمن سے لیکر صوبائی اور ضلعی انجمنیں ہیں، ہر انجمن کی اپنی اپنی علحیدہ لائبریریاں بھی ہوتی ہیں۔

بلاشبہ ضلعی انجمنوں میں ضلع اعظم گڑھ کی انجمن "نادیۃ الاتحاد"(بیادگار علامہ شبلی نعمانی) کو ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے، اس سے منسلک " شبلی لائبریری" ہے، جو کہ اپنے نام سے زیادہ اپنے ضلع کی نسبت **"اعظمی لائبریری"** سے زبان زد عام و خاص ہوگئی ہے اور اصل نام اب صرف لکھنے تک محدود رہ گیا ہے۔ شبلی لائبریری کو ضلعی انجمنوں کی لائبریریوں میں یہ ممتاز اور جدگانہ مقام و مرتبہ حاصل ہے کہ میری معلومات کے مطابق ضلعی انجمنوں میں یہ واحد لائبریری ہے جس کے پاس اپنی زمین اور بلڈنگ ہیں ورنہ اکثر لائبریریاں دارالعلوم دیوبند کے احاطہ ہی میں واقع ہیں۔

شبلی لائبریری(اعظمی لائبریری) میں کتاب کا عظیم ذخیرہ ہے، اسلامی علوم و فنون سے لیکر اردو ادب کی بنیادی مصادر و مراجع کی کتابیں موجود ہیں؛ مزید برآں طلبہ کی آسانی کے لیے عربی شروحات وغیرہ بھی وافر مقدار میں موجود ہیں۔

انجمن نادیۃ الاتحاد کا قیام 1960ء 70ء کی درمیانی دہائی میں ہوا تھا، اگرچہ اعظم گڑھ کے طلبہ کی اس سے قبل بھی کسی نہ کسی شکل میں انجمن تھی، جس کی تفصیلات اب نہیں ملتی ہے؛لیکن وہ اس وقت اختلاف و انتشار کا شکار تھی اور باقاعدہ منظم و مرتب نہیں تھی۔لیکن 63ء یا 64ء میں اس وقت کے چند طلبہ نےاختلاف و انتشار ختم کرکے

انجمن کا موجودہ نام دیا۔ نام سے بھی اس کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ انجمن کے جو قواعد و ضوابط مرتب حالت میں موجودہیں وہ 72ء 73ء کے لکھے ہوئے ہیں۔ چوں کہ ضلع مئو بھی ایک زمانے تک اعظم گڑھ کا اٹوٹ حصہ تھا، اسی لیے 1988ء تک مئو کے طلبہ بھی اسی بزم سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں ؛ لیکن 1988ء میں جب سیاسی نیتاؤں نے اعظم گڑھ اورمئوکے درمیان لکیر کھینچ کر مئو کو اعظم گڑھ سے الگ کرکے ایک مستقل ضلع کی حیثیت دے دی تو مئو کے طلبہ اس انجمن سے نکل کر اپنی علحیدہ انجمن بنا لی۔

انجمن نادیۃ الاتحاد بنیادی طور پر درج ذیل تین شعبوں پر مشتمل ہے۔

1۔ شبلی لائبریری : لائبریری روز آنہ عصر سے مغرب تک کھلتی ہے۔ ہفتہ کے مطابق الگ الگ طلبہ کی باری ہوتی ہے۔ عصر سے مغرب تک لائبریری میں بیٹھ کر کتابوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اور کتابیں اشیو بھی کرائی جاتی ہیں۔

2۔ شعبہ خطابت : شعبہ خطابت کے تحت ہفتہ واری پروگرام ہوتا ہے، جس میں طلبہ تقریریں کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سال میں تین مسابقے، افتتاحی، ششماہی اور سالانہ مسابقہ خطابت ہوتے ہیں۔

3۔ شعبہ صحافت : اس سے مستقل دو ماہانہ جداری رسالہ اور ایک رسالہ گاہے بگاہے خاص مواقع پر نکلتا ہے، جس کے نام درج ذیل ہیں۔

1۔ الحق المبین : یہ عربی میں ہر ماہ نکلتا ہے۔

2۔ پاسبان: یہ اردو میں ہر ماہ نکلتا ہے۔

3۔ صدائے اعظمی : یہ خاص خاص مواقع پر نکلتا ہے، خاص طور سے اس میں کسی خاص موضوع پر پورا شمارہ نکالا جاتا ہے۔

اول الذکر دونوں رسالے انجمن کے قیام ہی سے نکل رہے ہیں، جب کہ آخر الذکر کی شروعات غالبا 2016ء یا 2017ء کے آس پاس ہوئی ہے۔

شعبہ صحافت سے بھی سال میں تین مسابقے،افتتاحی،ششماہی اور سالانہ مسابقے ہوتے ہیں۔ ان مسابقوں میں پوزیشن لانے والوں انعام میں کتابیں دی جاتی ہے۔ انجمن کے تمام بجٹ کا انتظام طلبہ اپنے ہی جیب سے کرتے ہیں۔

تقسیم انعامات کے لیے سال میں دو مرتبہ عمومی پروگرام ہوتا ہے ایک افتتاحی دوسرے سالانہ جس میں پوزیشن لانے والوں کی تقریریں، انجمن کا ترانہ، مکالمے اور دیگر علمی و ثقافتی پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔

بلاشبہ انجمن نادیۃ الاتحادنے پچھلے 60/سالوں میں طلبہ اعظم گڑھ دارالعلوم دیوبندپر بہت ہی گہرے اثرات مرتب کئے ہیں، انجمن سے وابستہ اور خوشی چیں مقررین و قلمکاروں کو آج مختلف میدان میں اپنی علمی،تحریری اور تقریری خدمات انجام دیتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے، بلاشبہ اس میں انجمن نادیۃ الاتحاد کا کلیدی کردار رہا ہے۔

معلوم نہیں لائبریری کے خارجی دروازے کے اوپر کس نے یہ شعر چسپاں کیا ہے؛ لیکن بہت ہی برمحل شعر ہے :

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گی

مولانا عبدالعلیم الاعظمی

16/ ستمبر، 2024ء

مسجدِ نبوی کا وہ نوجوان

بقلم:- مولانا امیر معاویہ قاسمی دربھنگوی

بعض چہرے، بعض لمحے اور بعض مقامات انسان کے شعور پر اس طرح ثبت ہو جاتے ہیں جیسے شبنم کی بوند کسی نازک کلی پر ٹِک جائے؛ ہلکی، خاموش مگر دیرپا، مدینہ طیبہ کے سفرِ سعادت میں ایسا ہی ایک لمحہ دل کی تختی پر ہمیشہ کے لیے کندہ ہو گیا۔

ستمبر 2023ء کی وہ روح پرور ساعتیں جب والدین کی معیت میں اس گناہگار کو عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی؛ مدینہ طیبہ کے خوشگوار قیام میں جمعہ کی تیاری کچھ یوں تھی کہ نو سوا نو بجے کے قریب ضروریات سے فارغ ہو کر مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب قلبی شوق اور جسمانی تیزی کے ساتھ روانہ ہوا؛ مقصد تھا کہ پہلی صف میں جگہ پالی جائے مگر جب بابِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر پہنچا تو منظر یہ تھا کہ مسجد کا اندرونی حصہ زائرین سے لبریز ہو چکا تھا؛ پہلی اور دوسری صف میں جگہ نہ تھی، تیسری صف میں دروازے سے متصل کچھ گنجائش نظر آئی تو والدِ محترم کی ہمراہی میں وہیں بیٹھ گیا۔

میرے پہلو میں ایک نورانی چہرے والا عربی نوجوان بیٹھا تھا، عمر کوئی اٹھارہ بیس برس، سراپا خشوع و خضوع خاموشی سے تلاوت میں مشغول؛ چند لمحے گزرے ہوں گے کہ اس نے نہایت ادب سے بڑی شائستگی کے ساتھ عربی زبان میں مخاطب ہوا:

"یا حاج! این صلوٰۃ تحیۃ المسجد؟ حاجی صاحب! تحیۃ المسجد نہیں پڑھی؟"۔

دل پر ایک ہلکی سی شرمندگی کی پرچھائیں چھاگئیں مگر پھر وضاحت دی کہ جلد بازی میں والد صاحب کی وہیل چیئر کو تیز ڈھکیلنے کے سبب سانس بحال کرنا ضروری محسوس ہوا، سو سوچا چند لمحے ستا کر عبادت میں مصروف ہوں گا؛ میرا جواب سن کر نوجوان نے

مسکرا کر سر ہلایا، اطمینان کا اظہار کیا اور تلاوت میں محو ہو گیا۔
دل چاہا تعارف ہو،دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ کے نواحی گاؤں سے تعلق رکھتا ہے، علمِ دین کا طالب ہے اور مسجدِ نبوی میں جمعہ ادا کرنے فجر سے قبل ہی آیا ہے؛
باتوں بات میں جب اسے بتایا کہ یہ حقیر بھی ایک معمولی سا خادمِ دین، مسجد کا امام اور مدرسہ میں حدیث وتفسیر کا معلم تو وہ حیرت میں ڈوبا ندامت سے لبریز لہجے میں معذرت کرنے لگا۔
میں نے تسلی دی اور محبت سے کہا: ”نہیں بھائی! مجھے آپ کی یہ خیر خواہی دل سے خوشی دی، آپ نے تودین کی سچائی، مدینے کے حسن اوراس مسجد کے ادب کا ایک زندہ نمونہ دکھایا۔“
نماز کے بعد دل نے چاہا اس فرشتہ صفت نوجوان سے مزید ملاقات ہو، وقت مانگوں، مزید باتیں ہوں مگر بھیڑ میں وہ چہرہ کھو گیا؛ صفوں میں نمازیوں کی آمد کا سیلاب آیا اور میرا وہ روشن ستارہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، بہت تلاش کیا مگر ناکام رہا۔
اس واقعہ کو ڈیڑھ سال سے زائد عرصہ ہو گیا اورآج تک اُس نورانی چہرے کی چھاپ دل پر ثبت ہے؛ جوانی کی وہ عبادت گزاری، صبحِ جمعہ کا وہ جوش، مسجدِ نبوی کی فضا میں گم وہ چہرہ.....معلوم نہیں اب وہ کہاں ہے؟کس عبادت میں محو ہے؟ مگر دل ہر بار یہ دعا مانگتا ہے:
”یا اللہ! وہی ذوق، وہی خلوص، وہی تڑپ میرے حصے میں بھی لکھ دے؛ ویسا نور، ویسی طلب میرے دل میں بھی سمو دے۔“

مولانا اظہار الحق صاحب بستوی سے یادگار ملاقات

بقلم :- مولانا حبیب اعظمی احیاء العلوم مبارک پور

بڑے زمانے کے بعد الحمدللہ آج ایک بار پھر اپنے رفیق گرامی قدر مولانا مفتی اظہار الحق صاحب قاسمی بستوی دامت برکاتہم (صدرالمدرسین شعبہء اسلامیات پرلس اکیڈمی اورنگ آباد مہاراشٹر) سے بہت ہی شان دار ، خوش گوار اور یادگار ملاقات ہوئی۔
مولانا اظہار الحق صاحب بستوی زید مجدہ، دارالعلوم دیوبند کے زمانہء طالب علمی میں راقم کے رفیق درس رہے ہیں۔ ان سے دورہء حدیث شریف (1430ھ/2009ء) کے بعد "تکمیل عربی ادب" کے یک سالہ دور میں بہترین رفاقت رہی۔وہ ہمارے بہت ہی مخلص و کرم فرما اور مشفق رفیق ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی سفر کی تکمیل کے بعد عرصہ پہلے ان سے فیس بک پھر واٹساپ پر رابطہ ہوا اور یوں وقتاً فوقتاً موبائل اور واٹساپ کے ذریعے تعلیمی یادیں تازہ ہوتی اورحسب ضرورت مختلف امور پر باتیں ہوتی رہیں۔ وہ بہت ہی علم نواز اوربے لوث شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کی مخلصانہ حوصلہ افزائی اور بروقت رہنمائی میرے لیے ہمیشہ بڑی مفید و معاون رہی ہے۔ اپنے تعلیمی و تصنیفی ایام و اوقات کے علاوہ ان کے متعدد علمی وفکری اسفار بھی ہوتے رہتے ہیں۔ گزشتہ چار پانچ سال قبل بھی ان کا ان علاقوں کا یادگار سفر ہوا تھا ، جس میں انھوں نے راقم کے "قاسمی کتب خانہ ابراہیم پور" کو بھی اپنی تشریف آوری سے مشرف کیا تھا اوراپنے اس سفر کی مفصل و دل چسپ روئداد بھی بنام "گورینی و مبارک پور کا سفر" کئی قسطوں میں قلم بند کر کے اہل علم و قلم سے خراج تحسین حاصل کیا تھا۔

نامور واٹساپ گروپ "پاسبان علم و ادب" میں بھی وہ ایک معزز رکن کی حیثیت سے شریک ہیں اور اپنے علمی جواہر و لطائف سے بزم کو بارونق بنانے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ 'پاسبان' کے تیسرے شعری اور چوتھے تحریری مسابقہ میں ان کو بھی نمایاں مقام حاصل ہوا تھا ، اسی طرح ان کی دیگر تحریروں اور مضامین و کتب کو بھی اہل علم نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور سراہا ہے۔

مولانا موصوف اپنے ادارہ کی تعطیل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس وقت گورینی ضلع جون پور کے سفر پر اپنے مادرعلمی جامعہ ریاض العلوم اور وہاں اپنے اساتذہء گرامی سے ملاقات و زیارت کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے ، انہوں نے اس مناسبت سے قرب و جوار کے اپنے قدیم رفقاء اور "پاسبانی احباب" سے بھی ملاقات و زیارت کا پروگرام بنایا اور اپنے چند معزز رفقاء کے ساتھ اعظم گڑھ ہوتے ہوئے خیر آباد ضلع مئو ؛ ہمارے مخدوم گرامی ،عظیم المرتبت ، صاحب علم و قلم حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم کے یہاں دوپہر میں بعد نماز ظہر تقریباً ڈھائی بجے تشریف فرما ہوئے۔

بندہ بعد نماز ظہر دو بجے جب اپنے مدرسے سے گھر آیا اور واٹس ایپ کھولا تو اس میں مولانا اظہارالحق صاحب کاصوتی پیغام تھا،جس میں انہوں نےاپنے مبارک پور اور خیرآباد سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے بندے سے ملاقات کے لیے ابراہیم پور حاضری کا بھی ذکر کیا تھا۔ یہ میری بڑی خوش نصیبی اور سعادت مندی تھی۔ چناں چہ فوراً ان کو جوابی میسیج کیاکہ آپ ابراہیم پورتشریف لائیں اورغریب خانےکو اپنی بابرکت آمد سے زینت بخشیں۔

اتفاق کی بات کہ اسی دوران انہوں نے مبارک پور آنے کا ارادہ کینسل کرتے ہوئے سٹھیاؤں کے راستے سے خیر آباد جانے کا ارادہ کیا اور مجھے اپنے اس پروگرام کی تبدیلی

کے سلسلے میں پھر صوتی پیغام کے ذریعے مطلع کیا ، ساتھ ہی مجھے ہدایت دی کہ میں اپنے رفیق مکرم مولانا ابوالجیش صاحب قاسمی سریانوی دامت برکاتہم سے بات کرلوں ، وہ بھی خیرآباد اپنی بائیک سے آنے والے ہیں، میں ان کے ساتھ خیرآباد مولانا ضیاء الحق صاحب خیر آبادی دامت برکاتہم کے یہاں آ جاؤں۔

میں نے مولانا ابو الجیش صاحب کو فون کیا ، وہ اس وقت اپنے گھر سے نکلنے ہی والے تھے ، چناں چہ بندہ نے حسب موقع اپنی کچھ کتابیں مع دوماہی رسالہ 'افکار' ساتھ لیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا ابو الجیش صاحب ابراہیم پور تشریف فرما ہوگئے ، بندہ ان کے ساتھ ان کی بائیک سے خیرآباد کے لیے روانہ ہوا۔

مولانا ابوالجیش صاحب راقم کے بہت ہی مخلص رفیق اور متواضع و بے لوث نوجوان عالم و فاضل ہیں۔دارالعلوم دیوبند میں ان کی رفاقت اور تعلیمی لگن نیز بندے کے ساتھ ان کی مخلصانہ شفقت ومحبت میرے لیے بڑی یادگار اور عظیم سرمایہ ہے۔ وہ اس وقت ممبئی کے کسی دینی و عصری ادارہ میں اعلیٰ تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

دھوپ کی تمازت کے باوجودراستے کے قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتے اور باتیں کرتے ہوئے تھوڑی دیر میں ہی ہم لوگ خیرآباد وارد ہوئےاور سیدھے مولانا ضیاء الحق صاحب دامت برکاتہم کے دولت کدہ پہنچ گئے۔ رفیق محترم مولانا اظہار الحق صاحب قاسمی اپنے رفقاء گرامی کے ہمراہ یہاں پہلے ہی آ چکے تھے۔ گرم جوشی کے ساتھ سلام اور مصافحہ و معانقہ ہوا اور پھر ہم بھی اس مجلس علمی میں شریک ہو کر ان حضرات کی گراں قدر باتوں سے مستفید ہونے لگے۔

مولانا ضیاء الحق صاحب خیر آبادی دامت برکاتہم کا اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

ان کی علمی و قلمی بلند و بالا شخصیت نہ صرف دیار مشرق ؛ بل کہ ہندوستان کے طول و عرض میں بھی مشہور و معروف ہے۔ ان کی قلمی خدمات اور علمی زندگی نوجوان علماء و فضلاء کے لیے مشعل راہ ہے۔ حضرت اقدس مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: 2013ء) کی بافیض صحبت اور مخلصانہ تربیت نے ان کی شخصیت کو انمول بنا دیا۔ حضرت والا اس عاجز پر بھی بڑے شفیق ہیں اور وقتاً فوقتاً اپنی محبتوں ، عنایتوں اور شفقتوں سے بھی نوازتے رہتے ہیں۔ متعدد مواقع پر ملاقات و زیارت کے علاوہ پہلے بھی ایک بار راقم کو اپنے بزرگ رفیق محترم مولانا محمد احمد صاحب قاسمی نوادوی دامت برکاتہم کے ہمراہ آپ کے دولت کدہ حاضری کی سعادت مل چکی ہے ، جس کی تفصیل اسی وقت "خیرآباد کا علمی سفر" کے نام سے پیش کی گئی تھی۔

مولانا اظہار الحق صاحب قاسمی بستوی دامت برکاتہم کی تازہ تصنیف "اصول القراءات و احوال القراء و الرواۃ" (برائے طلبہء سبعہ قرأت) ابھی گزشتہ چند روز قبل شائع ہوکر منظر عام پر آئی ہے ، جو دراصل ان کے استاذ گرامی حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب حلیمی جون پوری رحمہ اللہ کی تالیف لطیف ہے اور مولانا اظہار الحق صاحب نے اس کو جمع و ترتیب کے بعد خوب صورت انداز میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب طلبہء قرأت سبعہ و عشرہ کے لیے بہت مفید اور گراں قدر تحفہ ہے۔ اس کے علاوہ مولانا کی ایک اور تازہ تصنیف بنام "نقوش ضیاء" بھی کچھ عرصہ پہلے ہی شائع ہوئی ہے ، جس میں انہوں نے اپنے استاذ گرامی حضرت مولانا قاری ضیاء الدین صاحب حلیمی رحمۃ اللہ علیہ (سابق استاذ تجوید و قرأت سبعہ و عشرہ مدرسہ عربیہ ریاض العلوم گورینی جون پور) کے حالات زندگی و تاثرات کو خوب صورت انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اول الذکر

کتاب میں 56 صفحات ، جب کہ آخر الذکر میں 120 صفحات ہیں۔ خوب صورت جاذب نظر کور ٹائٹل اور بہترین ورق کے ساتھ یہ دونوں کتابیں مولانا اظہار الحق صاحب یا مولانا ضیاء الحق صاحب سے رابطہ کرکے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

مولانا اظہار الحق صاحب نے یہ دونوں کتابیں از راہِ محبت ہدیتاً ہمیں بھی عنایت کیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہترین بدلہ عنایت فرمائے اور ان کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے ، آمین۔

مولانا ضیاء الحق صاحب کے یہاں دیر تک بہت ساری علمی و فکری اور کتابی باتیں ہوتی رہیں اور اپنے بعض اکابر و اسلاف کے تذکروں سے دل کو رہنمائی ملتی رہی ، ساتھ ہی چند پر لطف اور مزاح آمیز خاکوں سے بھی محفل حسین و خوش گوار رہی۔

عصر کی اذان کا وقت قریب ہورہا تھا ، ابھی ان حضرات کو واپس گورینی بھی جانا تھا۔ لہٰذا ایک بار پھر بہترین "سون پاپڑی" سے شاد کام ہوتے ہوئے رخصت کی اجازت طلب کی گئی اور گفتگو کرتے ہوئے سڑک تک آگئے۔ یہیں ان حضرات کی گاڑی کھڑی تھی۔ اسی جگہ مولانا راشد عمار صاحب قاسمی خیرآبادی بھی نظر آئے جو مسجد جارہے تھے ، ان سے بھی کچھ دیر کی ملاقات ہوگئی۔ مولانا اظہار الحق صاحب نے کہا کہ تھوڑی دیر "مدرسہ منبع العلوم" کی بھی زیارت کرنی ہے۔ چناں چہ پہلے سے مجلس میں موجود مولانا مفتی شاہد مغنی صاحب خیرآبادی کی معیت و رہنمائی میں یہ حضرات "کیلنڈر" کی طرف سے اور بندہ مولانا ابوالجیش صاحب کے ساتھ بائیک سے مدرسہ پہونچ گئے۔ گرمی کی وجہ سے مدرسہ ایک وقت تھا ، ابھی یہاں آئے تھے کہ عصر کی اذان ہوگئی ، لہٰذا صرف مولانا نوشاد احمد صاحب معروفی دامت برکاتہم سے کتب خانے

میں مختصر ملاقات ہوئی ، مولانا اظہار الحق صاحب نے اپنی دونوں کتابیں کتب خانے کے لیے عنایت کیں اور مصافحہ کرتے ہوئے مدرسے سے باہر آگئے۔ قریب ہی مولانا شاہد مغنی صاحب کی عنایت سے سبھی احباب نے "گنے کا جوس" پیا اور پھر الوداعی سلام و مصافحہ کرتے ہوئے وہ حضرات اپنی اگلی منزل یعنی اعظم گڑھ بعدہ گورینی کے لیے روانہ ہوئے اور ہم نے وہیں بازار کی چھوٹی مسجد میں نماز عصر ادا کرکے آج کی خوش گوار یادوں کو سمیٹتے ہوئے واپسی کی راہ لی۔

حبیب اعظمی
ابراہیم پور ضلع اعظم گڑھ
19/ ذوالقعدہ 1446ھ
18/ مئی 2025ء اتوار

-_-_-_-_-_ -_-_-_-_-_

مدرسہ عزیزیہ سہریا کے باوقار پروگرام میں شرکت

بقلم :- مفتی محمد یاسر قاسمی

کل مدرسہ عزیزیہ سہریا کے باوقار پروگرام میں شرکت کی سعادت ملی، ماشاءاللہ پروگرام انتہائی شاندار رہا، سب سے پہلے تو مفتی شرف الدین عظیم قاسمی صاحب علماء برادری کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ اور مفتی ذیشان احمد صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ کی حیات وخدمات کو اجاگر کرکے علمی حلقوں میں عام کرنے کا فیصلہ کیا اوران کی عمدہ سوانح مرتب کیا،مفتی صاحب کی وفات کے بعد اہل سہریا کی طرف سے یہ پہلی دعوت تھی، اس لئے قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا، باوجودیکہ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کی ذات گرامی انتہائی عظیم تھی، مگر مفتی ذیشان صاحب کےاس چمن میں رات انہیں کاذکر خیر سننے کے لئے تمام حاضرین کی طرح میرا دل بھی مشتاق تھا،لیکن معلوم نہیں کتاب کی نشرواشاعت کے محرکین نے اس انضمام کوکیوں ترجیح دیا،کاش ایک شام مفتی ذیشان احمدصاحب کے نام ہوتی اور ایک دوسری شام مخدومی حضرت مولانااعجازاحمد صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہ کےنام سے بھیرہ، شیخوپور یا اور کہیں منعقد ہوتی، تو ہم سامعین کو اس سے زیادہ نفع ہوتا، خیر ایک مدت کے بعد سہریا میں مفتی صاحب کی حیات وخدمات کو انہیں کے تلامذہ، متعلقین و متوسلین کی جانب سے سننا خوش گوار رہا، گرچہ ذکر محاسن کا یہ اسٹیج محبت، غم واندوہ میں ڈوبے جذبات کا آئینہ بن چکا تھا، رندھی اور مدھم سسکتی آوازیں ماحول کو مغموم کررہی تھیں، جب کہ چمکتی دمکتی عمارت،آباد مجلسیں مفتی صاحب کی عظمت کا برملا اعلان کررہی تھیں، اور مفتی صاحب کی اچانک رحلت کی روداد کے تذکرے سے سہریا کی فضا سوگوار کیوں

نہ ہوتی کہ مفتی صاحب ہی اس ادارے کے بانی و متہم تھے، اور ابھی حال ہی میں اس بنجر زمین پر فروکش ہوئے تھے، اور تعلیم وتربیت کے عظیم منصوبہ کی تعبیر میں مصروف تھے، مگر اچانک سب کچھ چھوڑ کر راہی اجل ہوئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، اللہ کرے ان کے جانشین ان کا خواب شرمندہ تعبیر کریں۔

مفتی محمداظہار الحق بستوی کی مع رفقاء خیرآباد آمد

بقلم :- مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

آج صبح سوا دس بجے مولانا مفتی محمد اظہارالحق بستوی قاسمی کا فون آیا کہ میں آپ کے علاقہ میں ہوں،ظہر بعد آپ کے یہاں کا قصد ہے۔مولانا موصوف پاسبان کے ایک موقر رکن اور صاحب علم شخصیت ہیں ، ان کے علمی ذوق اور تعلیمی امورمیں گہری دلچسپی کی وجہ سےمجھے ان سے خاص مناسبت ہے، ان سے پہلی بار تعارف ایک علمی مسئلہ سے ہی ہوا، انھوں نے استاذی مولانا اعجاز احمد اعظمی علیہ الرحمہ کی کتاب تہجد گزار بندے پڑھی تو اس کی کتابت غلطیوں اوربعض تسامحات کی طرف رہنمائی کی۔ ان کے ایک عمل نے دل میں ان کی بڑی قدرپیدا کی، آج کےاس دور میں جب بہتر معاش کی انسان کی پہلی اور آخری ترجیح ہے،انھوں نے ایک سرکاری مراعات یافتہ مدرسہ کی بھاری تنخواہ کو چھوڑ کراورنگ آباد ایک پرائیویٹ ادارہ کی تدریس کوترجیح دی،ایسے نمونے اس دور میں نایاب نہیں توکمیاب ضرور ہیں۔

آج سےچندسال پہلے ان سے ایک تفصیلی ملاقات جامعہ احیاء العلوم کی قدیم عمارت میں مفتی سید سعد صاحب کے ساتھ ہوئی تھی جب یہ لوگ مفتی محمد یاسر صاحب سے ملنے آئےتھے اور خیرآباد میرے گھر بھی تشریف لائے تھے ۔ ایک مرتبہ دہلی کے ایک سفر میں علماء کی ایک جماعت ہم سفر تھی ،دسمبر کے آخری ایام تھے، کیفیات اس موسم میں لیٹ رہتی ہے، اس روز چھ سات گھنٹے لیٹ ہوگئی ، میں نے مولانا کو میسیج کیا، وہ اس وقت اٹاوہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے ، تھوڑی ہی دیر میں ڈھیر سارا ناشتہ

اور تھرمس میں چائے لے کر وہ اسٹیشن آگئے اور عین ضرورت کے وقت سب کی ضیافت کی اور سب کی دعائیں لے کر واپس ہوئے۔

جب انھوں نے یہ خبر سنائی کہ میں خیرآباد کا قصد رکھتا ہوں تو اس سے قلبی مسرت ہوئی ۔ ظہر بعد کا وقت آرام کرنے کا ہوتا ہے، اس وقت کھانے کے بعد نیند کا جو غلبہ ہوتا ہے اس سے نبردآزما ہونا کافی مجاہدہ کا کام ہے،ایسے وقت میں مہمان کی ضیافت کیسے انشراح صدر کے ساتھ ہو؟ اس لئے مدرسہ سے آکر کھانا کھاکر سوگیا اور سوا بجے کے بجائے دوبجے والی ظہر پڑھی ، نماز کے بعد مولانا کی کال آئی کہ میں اعظم گڑھ آگیا ہوں ، مبارکپور ہوکر خیرآباد آؤں گا، لیکن بعد میں پروگرام تبدیل ہوگیا اور وہ اعظم گڑھ سے سیدھے خیرآباد آگئے ، انکے ہمراہ مولانا بلال صاحب بلبل پاسبان، اور گورینی مولانا وکیل احمد صاحب کے صاحبزادے مولانا وصی اللہ صاحب اور ایک طالب علم حافظ عبدالباطن تھے۔مولانابلال صاحب سے تو پرانی واقفیت ہے،ان سے ملاقات کافی عرصہ کے بعد ہوئی، جسامت اور ضخامت میں کافی ترقی ہوئی ہے، ڈاکٹرارشد دیکھ لیں توکم ازکم پانچ لیٹر پانی پینے کی رائے ضرور دیں گے۔مولانا وصی اللہ سے پہلی ملاقات تھی ، ان کے والد ماجد مولانا وکیل احمد صاحب سے واقف تھا،وہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے بڑے معتمد تھے ، مولانا افضال الحق جوہر قاسمی کی تحریروں میں متعدد بار ان کا ذکر آیا ہے۔

تین بجے یہ لوگ پہنچے،دھوپ اور گرمی کی شدت انتہا کو تھی، پہلے گنے کے خوب ٹھنڈے رس سے ضیافت کی، اسکے بعد خربوزہ اور مہاویر اعظم گڑھ کی سون پاپڑی پیش کی ، اس کے بعد گفتگو شروع ہوئی جو کتابوں سے شروع ہوکر دوسرے علمی موضوعات پر پھیلتی چلی گئی، ہر چند منٹ کے بعد یہ لوگ کہتے رہے کہ جلد نکلنا ہے لیکن گفتگو تھی کہ

ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی ، اسی دوران مولانا حبیب الرحمن ابراہیم پوری اور مولانا ابوالجیش مبارکپوری بھی مولاناسے بہر ملاقات آگئے ، یہ دونوں ان کے رفقاء درس میں سے ہیں ۔ مولانا حبیب تو کتابوں کا ایک بنڈل بھی ساتھ لائے اور ان حضرات کو پیش کیا۔ میں نے اپنے پڑوسی اور ممبر پاسبان مولانا حکیم مفتی شاہد مغنی کو بھی بلالیا گیا کہ پاسبان ایک گھر خاندان جیساہے، موسم کی شدت کی وجہ سے جو لوگ قدرے فاصلہ پر ہیں ان کو نہیں اطلاع کی کہ آنے میں زحمت ہوگی۔ ساڑھے چار بجے یہ پُرلطف مجلس ختم ہوئی ، جی تو یہی چاہتا تھا کہ سلسلۂ سخن کچھ اور دراز ہولیکن ان حضرات کے سفر کا سلسلہ اس سے دراز تر تھا اس لئے اجازت دینی ہی پڑی۔ مولانا اظہار صاحب نے کہا کہ میں مدرسہ منبع العلوم دیکھنا چاہتا ہوں ، مفتی شاہد مغنی ساتھ میں گئے اور وہاں کچھ دیر رک کر یہ لوگ اگلی منزل پر روانہ ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اس محبت اورنوازش پر اپنے شایان شان اجر عطا فرمائے۔

ضیاء الحق خیرآبادی 18/5/2025

تکمیلِ آرزو ــــــــــــــــــــ بقلم :- مفتی محمد رضوان اعظمی

حضرت مفتی محمد اشرف صاحب دامت برکاتہم سے کرلا ویسٹ میں پہلی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا، مختصر استفادہ کر سکا، ملازمتی اڑچنیں شوقہائے دیرینہ کو مکمل کرنے سے مانع رہیں، تاہم کچھ نہ سے کچھ بہتر ہوتا ہے۔

مفتی صاحب باوقار و باوزن شخصیت کے مالک ہیں،سادگی کے ساتھ علمی جلال نمایاں اور سنجیدگی و متانت چہرے سے ہویدا ہے ، کاش وقت موسع ہوتا تو مفتی صاحب کے افکار و خیالات سے کما حقہ مستفید ہوتا ،

غمِ زمانہ نے مجبور کر دیا ورنہ
یہ آرزو تھی کہ بس تیری آرزو کرتے

آواز و انداز سے گمان تھا کہ ڈاکٹر ارشد صاحب کی طرح جوان و سیاہ مو ہوں گے مگر گمان سے مختلف نظر آئے، ارادہ تھا کہ دوبارہ عشاء بعد بھی جائیں لیکن موسلا دھار بارش سے ماحول پیچیدہ ہو چکا ہے۔

اللہ تعالی مفتی صاحب کو سلامت رکھے، ہم سب کو اخذ و استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور مفتی صاحب سے دین و ملت کا خوب کام لے۔

دیکھ طفلِ ناداں قدر کر بزرگوں کی
گتھیاں نہ سلجھیں گی مضحکہ اڑانے سے

محمد رضوان اعظمی 20/0502025

ایک یادگار ملاقات (مفتی اطہر صاحب القاسمی جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ارریہ، بہار)

بقلم:-مولانا محمد یوسف قاسمی ندوی،استاذ مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی، مبارک پور

20/مئی 2025ء مطابق 21/ذیقعدہ 1446ھ بروز منگل مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی میں چند مہمانان کرام کی آمد سے ناچیز کو ملاقات کا شرف حاصل ہوا مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی استاذ مدرسہ ہذا نے جانبین سے تعارف پیش کیا کہ یہ صاحب علم و فن ہیں، قلم و قرطاس کے بے تاج بادشاہ ہیں، میدان خطابت کے شہسوار ہیں، انگریزی بھی بڑی اچھی بولتے ہیں،جمعیۃ علماء ارریہ کے جنرل سکریٹری ہیں،جمعیۃ علماء بہار کے نائب صدر ہیں، علاقہ میں ان کی مضبوط گرفت ہے، اور یہ فلاں قاری صاحب ہیں جہانا گنج سے ان کا تعلق ہے، احیاء العلوم کے شعبہ حفظ میں کئی سال تک خدمات انجام دی ہیں، اور یہ ہمارے مدرسہ کے استاذ ہیں، قلم و قرطاس سے کافی شغف رکھتے ہیں، طلبہ کی قلمی صلاحیت کوجلا بخشنے میں کافی محنت کرتے ہیں،اور یہ دو بچے ہیں جو یہیں کے پڑھے ہوئے ہیں، ان کی محنت سے بہت اچھا مضمون لکھنے لگے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مولاناضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی نے ہرایک کا تعارف پیش کرکےانکے معیاری حیثیت سےآگاہ کرادیاتعارفی کلمات پیش کرناحضرت والا کی یہ امتیازی خصوصیت ہے،انکایہ طریقہ کار ناچیز کو بہت پسند ہے اور خود اس پر عمل کرنے کی کوشش کررہا ہے۔

مہمانان کرام میں سر فہرست ارریہ ضلع سے تشریف لائے ہوئے مولانا محمد اطہر القاسمی صاحب کی ذات گرامی تھی اور ان کے ساتھ قاری عثمان غنی عادل صاحب کی شخصیت تھی جنھوں نے جامعہ عربیہ احیاء العلوم کے شعبہ حفظ میں پانچ چھ سال خدمات انجام

دیے ہیں ساتھ میں ایک اوربزرگ ہستی بھی تھی،اور مدرسہ ہذا سے تعلیم یافتہ دو طالب علم موقع پر اپنے اساتذہ کرام سے ملاقات کے لیے بھی پہنچ گئے، جن میں ایک عزیزم کامران خان بلیا کلیان پورسے تعلق رکھتے ہیں جو دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد ایک سال دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی چہار دیواری میں رہ کر کسب فیض کئے ہیں، فی الحال بنارس میں بی۔ایچ۔یو میں تعلیم حاصل کررہے ہیں اور دوسرے عزیزم فیض الرحمن مبارکپور سے تھے جو مدرسہ ہذا میں حفظ قرآن کریم کے بعد عربی سوم تک تعلیم حاصل کیے ہیں، فی الحال جامعہ سلفیہ بنارس میں عربی تعلیم حاصل کررہے ہیں۔

بہرحال مفتی محمد اطہرصاحب القاسمی سے چند لمحے کی ملاقات سے بہت مشاہدات و تجربات سامنے آئے کہ آپ ایک ممتاز عالمِ دین، صاحبِ قلم اور باوقار شخصیت ہیں۔ انکی علمی خدمات، تحریری صلاحیت،اور اصلاحی جذبات کے ساتھ ساتھ ان کے اخلاقِ حسنہ بھی بہت نمایاں اور قابلِ تقلید ہیں۔سنجیدہ و تحمل مزاج، ہنس مکھ وملنسار، اخلاق و رواداری کے پیکر ہونے کے ساتھ مفتی صاحب ایک فعال ،قائد، رہنما کی حیثیت سے متعارف ہیں،

جمعیۃ علماء ارریہ بہار کے جنرل سکریٹری اور جمعیۃ علماء بہار کے نائب صدر، مدرسہ اصلاح المسلمین بھگوان پور، ارریہ میں صدر المدرسین کی ذمہ داری، مدرسہ اسلامیہ جامع العلوم ترکیلی عیدگاہ ارریہ کی سرپرستی یقیناً آپ کی فعالیت کی کھلی دلیلیں ہیں، مدارس و مکاتب نیز جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے دینی، ملی، سماجی خدمات انجام دینا آپ کی فکر اولین ہے،

جامعہ دعوۃ القرآن ارریہ میں دارالافتاء کے افتتاح کے موقع پر مفتی صاحب نے کہا کہ ضلع میں جگہ جگہ دارالافتاء کے قیام کی تحریک بہت ہی ضروری ہے تاکہ روزمرہ کی زندگی

میں پیش آنے والے مسائل کا حل لوگوں کو بر وقت فراہم ہو خصوصاً عائلی مسائل کے لئے کورٹ کچہریوں کے چکر لگانے، روپے اور وقت کی بربادی سے معاشرے کی حفاظت کا سامان ہو۔ قیام دارالافتاء کی تحریک کا یہ پہلا قدم ہے۔
مفتی صاحب کو اس معیار پر پہنچانے میں قاری عثمان غنی صاحب جہانا گنجی اور قاری نفیس اختر صاحب جہانا گنجی کا دست شفقت ہے جنھوں نے مولانا کو دینی تعلیم کے لئے تیار کیا جس کو خود مفتی صاحب مولانا عبدالرب صاحب اعظمی رحمہ اللہ کے تعزیتی کلمات میں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"تقریباً پینتیس (35) برس قبل ہمارے غریب خانے پر جناب قاری عثمان غنی عادل صاحب اور قاری نفیس اختر صاحب جہاناگنج سے تشریف لائے تھے، بندہ اس وقت اپنے گاؤں کے اسکول میں ابتدائی درجات میں تھا ،دونوں بزرگوں کا قیام اسی عاجز کے گھر تھا ،اس درمیان مہمانوں کی خدمت اسی بندے کے سپرد تھی ،اللہ کا نظام کہ دونوں قاری صاحبان نے والدین کو تیار کرلیا اور یوں اسکول چھوڑا کر یہ دونوں بزرگوار بندہ کو اپنے ساتھ جہاناگنج لے کر چلے گئے اور انوار العلوم میں شعبہ حفظ میں داخلہ کروادیا ،حفظ قرآن کریم کا بسم اللہ کیا ہوا کہ ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عبد الرب صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام تک اپنی بےپناہ محبتوں اور شفقتوں کے ایسے نقوش چھوڑے کہ اس کا اجر حق جل مجدہ ہی روز حشر انہیں اپنی رضا کی شکل میں عطافرمائے گا ان شاء اللہ"
مفتی صاحب کا تعلیمی دور جہاناگنج مدرسہ انوار العلوم سے شروع ہوکر جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ، جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد سے

گذرتا ہوا دارالعلوم دیوبند پہنچ کر تمام ہوجاتا ہے جہاں پر رہ کر اپنے مشفق اساتذہ کرام کے فیوض و برکات کو حاصل کیا اور ان کے علمی گہر پاروں سے علمی خوشہ چینی کی،
آج ان اساتذہ کرام کی توجہات اور دعاؤں کا ثمرہ مفتی اطہر صاحب القاسمی کی شکل میں قوم و ملت کو نصیب ہوا اللہ تعالٰی ان کی علمی، دینی، ملی، سماجی خدمات کو قبول فرمائے،آمین
مہمانان کرام سے تعارفی کلمات کے بعد ضیافتی دسترخوان سے حتی الوسع اعزاز واکرام کیا گیا بعدہ مدرسہ کے تعلیمی ماحول کا چل پھر کر جائزہ لیا کتب خانہ میں رکھی ہوئی کتابیں بھی ہاتھ میں لیکر دیکھیں معیاری کتابوں کا ذخیرہ دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا، فجزاھم اللہ خیراً۔

تحریر:21/مئی 2025ء مطابق 22/ذیقعدہ 1446ھ بروز بدھ

یومیات پاسبان ، عبرت ناک سبق آموز واقعہ ، بقلم :- مولانا محمد اکرم خان قاسمی

آج ایک جنازے میں عجیب افسوس ناک واقعہ ہوا جنازہ سے پہلے امام جنازہ سے ایک صاحب نے کان میں کچھ اعلان کرنے کے لئے کہا مگر مولانا نے ان سے کہا پہلے نماز پڑھ لیں خیر نماز کے فوراً بعد انھوں نے اعلان کیا کہ مرحوم نے ہم سے 1985 میں 13500 ریال قرض لیا تھا مگر بار بار تقاضا کے بعد بھی ابھی تک دیا نہیں تھا یہاں تک کہ آج انتقال ہوگیا۔یہ واقعہ انتہائی افسوس ناک اور انسان کے لیے عبرت و نصیحت بھی ہے قرض لینے والے انسان کو چاہیے کہ شدید ضرورت پر ہی قرض لے اور پھر ادائیگی کی پوری کوشش کرے اور اگر خدانخواستہ اپنی زندگی میں نہ ادا کرسکے تو کم سے کم اپنے وارثوں سے قرض کی ادائیگی کے لیے کہ دے کہ فلاں کا قرض ادا کردینا ۔
حدیث شریف میں ہے جس شخص نے قرض لیا اور ادا نہیں کیا اور فوت ہوگیا تو اس کی روح معلق رہتی ہے جب تک کہ قرض ادا نہ کردیا جائے۔

ایک حدیث شریف میں ہے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس انصار کا ایک شخص کا جنازہ لایا گیا تاکہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھ دیں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو (میں نہیں پڑھتا) کیونکہ اس پر قرض ہے“، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے ذمہ ہے، نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: ”تم اس کی ادائیگی کرو گے؟“ تو انہوں نے کہا: ہاں میں اسکی ادائیگی کروں گا، تب آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ بر وقت معاملات کو درست کرلیں تاکہ انسان آخرت کی باز پرس اور دنیا کی سبکی سے محفوظ رہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان داری سے زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

اب بہتر اور شرعی طریقہ یہ ہے کہ تحقیق کے بعد مرحوم کے ترکے میں سے سب سے پہلے قرض کی ادائیگی کی جائے پھر وارثت کی تقسیم ہو یہی شرعی اور اخلاقی فریضہ ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کے قرض کی ادائیگی میں آسانی پیدا فرمائے

محمد اکرم خان قاسمی جونپوری

23 مئی 2025 بروز جمعہ

نعمت مترقبہ اور مسرت افزا ملاقات بقلم:-مولانا محمد کلیم نعمانی قاسمی باغپتی

آج ساڑھے چاربجے ترجمان پاسبان حضرت مولانا شیخ محمد خالد صاحب اعظمی مدظلہ کا فون آیا،رسیو نہ کرسکا، اپنی طرف سے کال لگائی تو خود کٹ ہوگئی ، اس درمیان بندہ دوسری کال پر مشغول ہوگیا اورموصوف کا فون آگیا ، خیر بات ہوئی تو معلوم ہوا کہ آمد آمد ہے اور باغپت پہنچنے والے ہیں ، بندہ نے درخواست کی کہ بڑوت تشریف لے آئیں ، کہنے لگے کہ وہ توگزرگیا، پھر مکرر درخواست کی کہ ہماری خوش قسمتی وسعادت ہوگی کہ پاسبانی قافلہ کی زیارت و ضیافت نصیب ہوگی ، خیر ہامی بھرلی ، جب کہ بڑوت شہر سے آٹھ کلومیٹر آگے جاچکے تھے ۔

معلوم کیا کہ ٹھنڈا یا چائے ؟نیز کتنے ساتھی ہیں؟

چائے ۔ پانچ ساتھی۔

خیرپانچ بجے مدرسہ میں یہ عظیم الشان قافلہ پوری آن بان کے ساتھ تشریف لے آیا۔

چوں کہ اس راقم کو اہل مشرق (بالخصوص محترم مولانا صادق نظامی ، مولانا مفتی امجد بلیاوی،مفتی مدثر نور الہ آبادی وغیرہ)کی رفاقت ملی ہے، اس لیے مشرق کی اس تہذیب سے بھی شناسائی ہے کہ اولا خالی پانی نہیں چلتا ؛ بلکہ پانی کے ساتھ کچھ میٹھا پیش ہو ، ماحضر کچھ موجود نہ تھا ، اس لیے شہد پانی پیش کردیا گیا ،اس تہذیب کی شناسائی کا ذکر کیا تو شیخ محترم نے فرمایا کہ ماشاءاللہ آپ نے شہد تو پیش کیا ، ورنہ اس طرف تو سب خالی پانی ہی پیش کرتے ہیں ۔

ماشاءاللہ بڑی خوب صورت اورمحبت بھری ملاقات رہی ، رفقائے مذکورین کے استاذ محترم

مولانا وسیم صاحب شیروانی سابق استاذ حسینیہ جون پور حال استاذ مدنی مدرسہ جون پور ساتھ تھے ، اس کے علاوہ مولانا وسیم صاحب شہر صدر جمیعت علماء اعظم گڈھ ، مولانا علقمہ صاحب ، موصوف سے ملاقات پر معلوم ہوا کہ آپ ہمارے درسی ساتھی رہے ہیں ، ہفتم میں داخل ہوے تھے ترتیب ثالثہ میں پڑھتے تھے ، ایک صاحب اور تھے ۔ ترجمان محترم نے تالیفی کتاب کا ذکر فرمایا تو ایک ایک عدد کتاب تذکرۂ نصیر پیش کی گئی ، ساتھ ہی جدید "کتاب نصیری تراشے یعنی افادات تھانوی "بھی تحفہ میں پیش کی گئی ، بندہ کو یاد آیا کہ گزشتہ دنوں جو پاسبان میں مسابقہ ہوا تھا ، اس میں اصحابِ پوزیشن کو کتاب انعام میں دینے کا وعدہ تھا ، چوں کہ اپنی گاڑی کی سہولت تھی ، اس لیے ان کے لیے بھی تین عدد کتاب پیش کردی گئی ۔ امید ہے کہ حسب سہولت کتاب ان تک پہنچے گی یا وہ حاصل کرلیں گے ان شاءاللہ تعالیٰ ۔

نماز سے فراغت اور چائے وائے کی معمولی سی ضیافت کے بعد قافلہ کو آگے کی منزل کی طرف بڑھنے کا تقاضہ ہوا ۔

ترجمان عالی مقام کے پیرو مرشد حضرت مولانا شاہ جمال الرحمٰن صاحب حیدرآبادی مدظلہ کے استاذ گرامی حضرت مولانا مفتی نصیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ سابق استاذ حدیث وصدرمفتی جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد(بندہ کے نانا) کے مزار پر تمام علما نے حاضری دے کرفاتحہ خوانی کی سعادت سمجھی ۔

بندہ ورفقائے انتظام کو اہل علم کے اس قافلہ کی آمد سے جو خوشی ومسرت ہوئی استقبالیہ کلمات اور مرحبا کی صدائیں بھی اس کو تعبیر کرنے سے قاصر ہیں۔

اس خوش گوار ملاقات کا وقت اگرچہ بہت مختصر رہا ؛ مگر باعث تسکین ومسرت رہا۔

کاش اور مزید موقع ملتا خدمت وضیافت کا ، پہلی ملاقات بھی برسوں سے متواتر ملاقات کا منظر پیش کررہی تھی ، ان حضرات کی ذرہ نوازی ، محبت وکرم فرمائی ، خوش مزاجی وبے تکلفی اور عنایت کامظہر جمیل تھی یہ آمد اور یہ ملاقات ۔

آئندہ حسبِ موقع تشریف آوری ، طرفین کے ارادوں کو مہمیز لگاتے ہوئے یہ پاسبانی قافلہ رخصت ہوا ۔

فقط والسلام

مولانا محمد کلیم نعمانی قاسمی باغپتی

ادارہ فیض مسیح الامت بڑوت باغپت

ترجمانِ پاسبان کی سرزمینِ اٹاوہ آمد بقلم:- مولانا سید محمد سعد قاسمی

کل کا دن میرے لیے غیر معمولی مسرت و انبساط کا پیامبر ثابت ہوا، جب حضرت مولانا محمد خالد اعظمی صاحب دامت برکاتہم، ترجمانِ پاسبانِ علم و ادب، نے بذاتِ خود فون فرما کر یہ نوید سنائی کہ وہ دیوبند سے واپسی پر اٹاوہ میں مختصر قیام فرمائیں گے۔ ہمارے مہتمم مکرم، جناب مولانا محمد محمود طارق شمسی صاحب قبلہ، بہت پہلے ہی حضرت کو ہمارے ادارے کی زیارت کی دعوت دے چکے تھے۔ مولانا بھی متعدد بار اپنی قلبی خواہش کا اظہار فرما چکے تھے، مگر مختلف اسباب کے باعث ان کی تشریف آوری مؤخر ہوتی رہی۔ بالآخر، وہ لمحہ بھی آن پہنچا جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا۔ اگرچہ ہم نے اندازہ لگایا تھا کہ حضرت مولانا مغرب تک تشریف لے آئیں گے اور اس مناسبت سے ہم نے مدرسہ میں ایک تربیتی نشست کا بھی نظم کیا تھا تاکہ طلبہ حضرت مولانا کی بصیرت افروز گفتگو سے مستفید ہوں۔ مگر تاخیرِ سفر کے باعث قافلہ شب کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے مدرسہ پہنچا، جب طلبہ اپنے کمروں میں استراحت کے لیے لیٹ چکے تھے۔

بہرکیف! حضرت مولانا محمد خالد اعظمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، اپنے علم دوست رفقاء کرام، حضرت مولانا وسیم احمد قاسمی صاحب (صدر جمعیۃ العلماء، رحمت نگر، اعظم گڑھ)، مولانا وسیم احمد شیروانی صاحب (صدر جمعیۃ العلماء، ضلع جونپور) مولانا علقمہ قاسمی صاحب اور جناب مستقیم صاحب (اعظم گڑھ) کے ہمراہ دیوبند سے واپسی پر رات گئے ہمارے ادارے میں جلوہ افروز ہوئے۔

یہ بالمشافہ ملاقات ہمارے لیے باعثِ افتخار و سعادت تھی۔ حضرت کی پُرخلوص مزاجی، نرم گفتاری، عالمانہ وقار اور سادگی و تواضع نے دلوں کو بے ساختہ گرویدہ کر لیا۔

انکی گفتگو میں جہاں علم و عرفان کی خوشبو تھی، وہیں اخلاق کی مٹھاس اور دین داری کا نور بھی نمایاں تھا۔

یہ آمد محض رسمی حاضری نہیں بلکہ علم وادب سے انکی قلبی وابستگی، اور محبت و اخلاص کا عملی اظہار تھی۔ سفر کی تھکن، وقت کی قلت اور رات کی خامشی کے باوجود انہوں نے ہمیں محروم نہ رکھا اور مختصر وقت میں اپنے فیضِ علم و اخلاق سے بہرہ ور فرمایا۔ انکے تمام رفقاء بھی علم و اخلاص کا مرقع ثابت ہوئے۔ مدرسے کے مہمان خانے میں پرتپاک خیرمقدم کیا گیا، عشائیہ کا اہتمام ہوا اور نمازِ عشاء ادا کی گئی۔ حضرت کی آمد سے ایک طرف جہاں قلبی سرور وفرحت نصیب ہوئی، وہیں ان کے ساتھ مزید وقت گزارنے اور طلبہ کو فیض یاب نہ کر سکنے کا ہلکا سا افسوس بھی دل میں رہا۔

زیارت و ملاقات کے بعد قافلہ کی روانگی سے عین قبل مہتمم صاحب نے سبھی زائرین کو مدرسہ کا تعارفی کتابچہ، اسلامی معلومات پر ۱۷۰۰/ سوالات پر مشتمل ایک کتاب "ذخیرہ اسلامی معلومات" اپنے نانا میاں اور دادا میاں کی چند کتب کا گلدستہ تحفۃً پیش کیا۔ اور پھر یہ قافلہ شب کی خامشی میں بذریعہ کار لکھنؤ ایکسپریس وے سے اعظم گڑھ کی جانب روانہ ہوا۔حضرت مولانا کی خوش گفتاری، علم افروزی اور حسنِ اخلاق کی خوشبو دیر تک ہمارے ادارے کی فضاؤں میں مہکتی رہی۔۔۔ہم ربِ کریم سے دعا گو ہیں کہ حضرت مولانا اور ان کے تمام رفقاء کو صحت وعافیت کےساتھ تادیر قائم و دائم رکھے، اور ہمیں ان کی علمی فیوض سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔۔۔۔۔۔آخر میں ہم پاسبانِ علم و ادب کے تمام احبابِ مکرم سے مؤدبانہ گزارش کرتے ہیں کہ جب کبھی اٹاوہ کی سرزمین سے گزر ہو، ہمارے مدرسے کو اپنی زیارت و ملاقات سے ضرور مشرف فرمائیں۔

مولانا محمد اطہر صاحب قاسمی سے پہلی ملاقات بقلم :- مولانا حبیب اعظمی

یوں تو مولانا محمد اطہر صاحب قاسمی دامت برکاتہم (نائب صدر جمعیت علمائے بہار) کے نام سے واقفیت اور غائبانہ تعارف بہت پہلے سے تھا اور زمانہء طالب علمی سے ہی آپ کے علمی ذوق و شوق اور تصنیف کے بارے میں سن رکھا تھا۔ پھر پچھلے دنوں مشفق گرامی قدر مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی خیرآبادی دامت برکاتہم کے واٹساپ گروپ "العلم والعلماء" میں شمولیت کے ساتھ ہی مولانا موصوف کی بعض مفید تحریروں اورگراں قدر تبصروں سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ پچھلے چند روز قبل جناب قاری عثمان غنی صاحب جہاناگنجی زید مجدہ کےذریعے مولانا کے بارے مزید معلومات حاصل ہوئیں اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ وقتاً فوقتاً یہاں تشریف فرما ہوتے ہیں۔

گزشتہ شب قاری صاحب موصوف نے واٹساپ پر اطلاع دی کہ "کل ان شاءاللہ مولانا محمد اطہر صاحب کے ساتھ قدیم جامعہ میں ملاقات ہوگی"۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ حضرت والا یہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔

صبح مدرسہ حاضری کے بعد قاری صاحب سے آمد کی بابت دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ گیارہ بجےتک آئیں گے۔گیارہ بجے تو پتہ چلا کہ "اس وقت تحفیظ القرآن سکٹھی سے نکل کر آپ کے یہاں آرہے ہیں"۔

تھوڑی دیر بعدہی قاری صاحب کےساتھ معزز مہمان گرامی مولانا محمد اطہر صاحب قاسمی کی قدیم جامعہ (احیاءالعلوم مبارک پور) آمد ہوئی۔سلام ومصافحہ اور معانقہ کے بعد ماحضر پیش کیا اور کچھ دیر تک آپ سے مختلف امور پر خوب صورت باتیں ہوتی رہیں۔

راقم نے آپکی خدمت میں اپنی چند تصانیف دعاؤں کی درخواست کے ساتھ پیش کرنے کی بھی سعادت حاصل کی ، جس پر مولانا نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور اپنی دعاؤں سے نوازا۔

مولانا محمد اطہر صاحب قاسمی دامت برکاتہم جامعہ احیاء العلوم مبارک پور کے قدیم فیض یافتہ اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں۔ اکابر کے معتمد اور کئی دینی و علمی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔اپنے علاقے میں ان کی دینی و اصلاحی خدمات سے عوام و خواص مستفید ہوتے رہتے ہیں اور تقریر و خطابت کے ساتھ تحریری طور پر بھی عوامی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ جمعیت علمائے ارریہ کے جنرل سیکرٹری اور صوبہ بہار جمعیت کے نائب صدر ہیں ، نیز مدرسہ اصلاح المسلمین ارریہ کے صدر المدرسین بھی ہیں۔ ان کی ایک گراں قدر تصنیف "نکاح ، جہیز کی رسومات" سے متعلق زمانہء طالب علمی سے ہی راقم کے پاس ہےاور انکی ایک اور تصنیف "اسلامی آداب" سے متعلق ہے۔ طلبہء مدارس کے لیےانھوں نےاپنے دورہء حدیث کےسال ہی ایک تقریر کی مفید کتاب بھی مرتب کرکے شائع کی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آج کی یہ پہلی ملاقات گرچہ مختصر ، مگر یادگار رہی۔ ساتھ ہی مولانا کی بہت سی قیمتی باتوں سے استفادہ کا بھی موقع ملا۔ فجزاہ اللہ خیرا

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی عمر میں برکت عطا فرمائے ، ان کی جملہ خدمات کو قبول فرمائے اور ہر قسم کے شرور و فتن سے محفوظ فرمائے۔ آمین

حبیب اعظمی

ابراہیم پور ضلع اعظم گڑھ

20/ مئی 2025ء بدھ

یومیات پاسبان (خطبۂ جمعہ میں ڈیجیٹل ڈیوائس) بقلم:مولانا محمد شفیق قاسمی

ہمارے یہاں **خطبۂ جمعہ** کے حوالے سے ایک اہم پیش رفت یہ ہوئی ہے کہ خطیبوں کے لیے آئی پیڈ (iPad) کے استعمال کو لازمی قرار دے دیاگیا ہے۔

اس فیصلے کے چند درج ذیل ممکنہ وجوہات ہو سکتے ہیں:

1- خطبے کا جو **متن** ملک بھر میں یکساں طور پر دیا جاتا ہے۔ iPad کے ذریعے اس متن کو باقاعدگی سے اپ ڈیٹ اور مہیا کرنا آسان ہو جاے گا۔

2- یہ اقدام ڈیجیٹل ٹرانسفارمیشن کی پالیسی کا حصہ ہو سکتا ہے، جس کا مقصد مذہبی امور کو بھی جدید ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ کرنا ہے۔

3- مقصد نظم و ضبط، دینی وحدت اور فتنے سے بچاؤ ،اس طرح خطبوں کے مواد پر بہتر نگرانی رکھی جاسکتی ہے تاکہ کوئی غیر منظور شدہ یا متنازعہ اور بد نظمی پیداکرنے والی باتیں عوام تک نہ پہنچیں۔

4- ماحولیاتی پہلو کے پیش نظر کاغذ کے استعمال کو کم کرنا بھی اس کا ایک مثبت پہلو ہو سکتا ہے۔

فقہی اعتبار سے مختلف مکاتب فکر کی طرف سے **مختلف آراء** سامنے آسکتی ہیں لیکن میں اسے **انتظامی معاملات** کا حصہ سمجھتا ہوں

وسائل کا استعمال مقصود کے تابع ہے اگر مقصد صحیح ہو (جیسے وحدتِ خطبہ، وقت کی پابندی، فتنہ سے بچاؤ۔ وغیرہ) تو ذریعہ (ڈیجیٹل ڈیوائس) کو ممنوع اور ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔

نبوی دور میں **تحریری خطبہ** نہ ہونے کے باوجود **فقہاء کرام** نے تحریری یا تیار شدہ خطبے کو منع نہیں کیا لھذا کوئی خطیب اگر کاغذ یا اسکرین سے خطبہ یا درس وغیرہ پڑھتا ہے تو وہ شرعاً درست ہے ۔
ہماری رائے سے آپ متفق نہیں ہیں تو دلائل کے ساتھ اختلاف کی پوری گنجائش ھے۔

شفیق قاسمی اعظمی
کٹولی کلاں/اعظم گڑھ
30/05/2025

آرزوئے تشنہ کام — بقلم :- مولانا محمد اسحاق ناصح حلیمی

زہے قسمت وہ جن کا قافلہ حج کو روانہ ہے
مچلتا جا رہا ہے دل سفر یہ عاشقانہ ہے
سمندرآرزوؤں کا تلاطم خیز ہے پھر سے
مسافرجاچکےسارے یہ عاجز اب یگانہ ہے

ہجومِ عاشقاں صحنِ حرم میں ہے اُمڈ آیا
زباں پر تلبیہ اورحمد کاجاری ترانہ ہے
حرم کی سر زمیں پربارشِ انوار کا موسم
خوشا حاصل جنہیں فیضانِ رحمت کا زمانہ ہے

ہے کتنا روح پرور جاں فَزا وہ منظرِ کعبہ
جہاں شام وسحر تقسیم رحمت کا خزانہ ہے
مقام وملتزم ہوسامنے جب صحن کعبہ میں
دواءِ روح پھر لطفِ نمازِ پنجگانہ ہے

تصورمیں منی عرفات کے دلکش نظارے ہیں
کبھی مکہ ہے منزل اور کبھی طیبہ ٹھکانہ ہے
وہ دیکھو قافلے اب سوءِ طیبہ کوچ کرتے ہیں
جہاں پر میرے آقا کا مقدس آستانہ ہے

وہ شہرِ آرزو جو مرجعِ اہلِ محبت ہے
جہاں کی زندگی رشکِ حیاتِ جاودانہ ہے
ترستی ہیں یہ آنکھیں سبز گنبد کے نظارے کو
دلِ مجبور میں پھر شوق اٹھا بیکرانہ ہے

ہے جنت کی کیاری میں نمازِ عشق کا منظر
نگہ کے سامنے اور جذبۂ دل والہانہ ہے
سلاموں کا لئے تحفہ سراپا غرقِ عصیاں کو
تخیل میں ہی اب پیشِ شہِ ابرار جانا ہے

کسی دن میں بھی گلزارِ مدینہ دیکھ لوں مولیٰ
یہی حسرت زدہ دل کی صداءِ عاجزانہ ہے
تہی داماں ہوں لیکن ہے کرم کی آس رحماں سے
پہونچتے ہیں وہی جن پر نگاہِ مہربانہ ہے

ضیوفِ ربِّ رحماں سے ان ایامِ مبارک میں
یہ **ناصح** بھی طلبگارِ دعاءِ غائبانہ ہے

کاش تعبیرِ آرزو آئے

بقلم :- مفتی محمد رضوان اعظمی

ذکر تیرا ہو اور تو آئے
زندگی جیسے ہو بہو آئے

زندگی میں وہ کارنامے کر
خوشبوئے ذکر کو بکو آئے

خواب دیکھا ہے وصلِ جاناں کا
کاش تعبیرِ آرزو آئے

کیوں دھڑکتا ہے دل کے اندر سے
اس سے کہہ دو کہ رو برو آئے

بات تو ہے مگر میں ساکت ہوں
پہلے آدابِ گفتگو آئے

میرا آنگن خزاں رسیدہ ہے
موسمِ گل چہار سو آئے

آہوں نالوں کا کیا اثر **رضوان**
جب کبھی حاجتِ لہو آئے

موبائل نامہ ــــــــــــــ بقلم :- مولانا سرفراز بزمی راجستھان

میری آنکھیں ہیں مرا سر ہے مرا موبائل
ایک گنجینۂ داور ہے مرا موبائل

گھر کے بچوں کیلیئے صرف کھلونے کی دکان
اور میرے لئے دفتر ہے مرا موبائل

یہ ہے مٹھی میں تو دنیا ہے مری مٹھی میں
فخر تیمور و سکندر ہے مرا موبائل

سب سے بے فکر مگر فکر میں گرداں سب کی
ایک مجذوب قلندر ہے مرا موبائل

ایک سم سم میں رواں علم کے لاکھوں دریا
ایک کوزے میں سمندر ہے مرا موبائل

دیجیئے حکم تو ہو چشم زدن میں تعمیل
کوئی عفریت کا ہمسر ہے مرا موبائل

یہ نہ ہو ساتھ تو لگتا ہے کوئی ساتھ نہیں
اور جہاں ساتھ مرے، گر ہے مرا موبائل

اس کے پردے میں چھپی بیٹھی ہے ساری دنیا
جام جمشید سے بڑھ کر ہے مرا موبائل

بات کیجے کوئی پیغام رسانی کیجے
خوب قاصد ہے پیمبر ہے مرا موبائل

فرش سے عرش تلک اس کی رسائی ہر جا
کوئی جبریل کا شہپر ہے مرا موبائل

ایسے رستوں پہ جہاں خضر بھی رستہ بھولے
میرا قائد، مرا رہبر ہے مرا موبائل

جس کے کھلنے سے کھلے قفل در ہفت اقلیم
گنبد علم کا وہ در ہے مرا موبائل

اس کی طاقت کا زمانے کو نہیں اندازہ
تیر و تلوار ہے نشتر ہے مرا موبائل

بحث و تکرار، تماشہ، جدل وقال اقول
ان کی بنیاد میں اکثر ہے مرا موبائل

شیخ کو قبلہ نما، رند بلا نوش کو جام
طالب علم کو ٹیوٹر ہے مرا موبائل

کوئی انگشت سلیماں کوئی جادو کا چراغ
کوئی عفریت سراسر ہے مرا موبائل

میں کہاں ہوں مرے دشمن کو پتہ دے پل پل
میر قاسم ہے کہ جعفر ہے مرا موبائل

میرے اوقات کو کھا جاتا ہے چپکے چپکے
گو نہ افعی ہے نہ اجگر ہے مرا موبائل

میری انگلی کے اشارے میرے چہرے کے نقوش
ان کا محتاط شناور ہے مرا موبائل

تجھکو معلوم ہے جنت سے نکالے ابلیس
تیری سرکار میں افسر ہے مرا موبائل

یہ مرے ذہن کو پڑھ لیتا ہے چپکے چپکے
کتنا چالاک ہے خود سر ہے مرا موبائل

مجھ کو رہ رہ کے دکھاتا ہے ہوس کے منظر
کوئی ابلیس کی دختر ہے مرا موبائل

اس میں کیا کیا ہے بتادوں تو شرافت جائے
ایک کوٹھے سے بھی بدتر ہے مرا موبائل

ہاتھ جیسا ہو اسی ہاتھ کے جیسا ہو جائے
نا براہیم نہ آزر ہے مرا موبائل

طالب خیر کو ہر خیر کا منبع لیکن
شر طلب ہو تو بڑا شر ہے مرا موبائل

خوف اللہ کا **بزمی** ہو تو ہے بات الگ
ورنہ شیطان کا لشکر مرا موبائل

پاسبانی موتی ــــــــــــ بقلم :- پاسبانی احباب

(1) اولاد کی تربیت

آج میرے بچے نے ایسی بات کہی کہ دل کی دنیا بدل گئی۔

ہوا یوں کہ وہ ننھیال سے واپس آیا۔ واپسی پر نانی، خالہ اور دیگر رشتے داروں نے خوشی خوشی اسے دو ہزار روپے دیے۔ میں نے پیار سے پوچھا: "بیٹا، ان پیسوں سے کیا خریدو گے؟"

اس نے معصومیت سے جواب دیا:

"میں اپنے حافظ جی کو دوں گا، تاکہ وہ کولر خرید لیں۔ ان کے گھر کولر نہیں ہے

ڈاکٹر اظہر جمال

(2) اہل اللہ کی صحبت

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ وکونوا مع الصادقین یعنی تقویٰ کے حصول میں سب سے آسان راستہ یہ ہے انسان ایسے بندگان خدا کی صحبت اختیار کرے جن کے دل اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے لبریز ہیں جن کی نورانی صورتوں کو دیکھ کر اللہ یاد آتا ہے اور ہر زمانے میں اللہ کے ایسے برگزیدہ بندے موجود رہے ہیں اس لیے ہر وہ شخص جو وساوس نفسانی خواہشات گناہ کے خیالات سے پریشان رہتا ہو اس کے لئے سب آسان علاج یہ ہے کہ وہ کسی نیک اور اہل دل کے ساتھ تھوڑا سا وقت گذارے ۔

محمد اسحاق حلیمی

ضابطے اور رابطہ

(3) کچھ لوگ ضابطے کی پاسداری ، میں رابطے کھودیتے ہیں۔
ہمارے محسن مفتی ذیشان صاحب رح فرماتے تھے رابطے کی بحالی و بقا کے لئے ضابطوں کو قربان کیا جاسکتا ہے۔
وہ کہتے تھے جماعت تبلیغ کا یہ اصول عملی زندگی میں بہت کام آتا ہے کہ اصول ٹوٹ جائیں مگر افراد نہ ٹوٹنے پائیں۔
اس لئے جہاں تک شریعت اجازت دیتی ہو انسان کو نرمی کے ساتھ معاملات سلجھانا چاہئے۔

ڈاکٹر ارشد قاسمی

(4) کسی بھی جماعت یا سنستھا یا مدرسہ یا اجتماعی کام کو چلانے کیلئے رابطہ اور ضابطہ دونوں کا ہونا ضروری ہے ان دونوں میں سے اگر ایک بھی کمزور ہوگا تو وہ کارواں کبھی بھی ڈھنگ سے نہیں چل سکتا . البتہ ان دونوں چیزوں سے ہٹ کر تیسری چیز جو مجھے سب سے اہم سمجھ میں آرہی وہ "اخلاص" ہے اگر اخلاص رہیگا تو رابطہ بھی رہیگا ضابطہ بھی رہیگا اور کام میں بھی برکت ہوگی ترقیات کی منزل بھی طے کریگا۔
اس لئے ہم سب کو چاہیے کہ اپنے رب سے ہمیشہ تواضع اور انکساری اور اچھے اخلاق کی دعاء مانگتے رہیں

مولانا عبدالحق مئو

(5) رابطے پر ضابطے کو فوقیت ہونی چاہیے، ورنہ نظام دیر پا نہیں ہو سکتا، نیپوٹزم اور اقربا پروری سسٹم کو برباد کر دیتی ہے،

محمد (ص) کی بیٹی بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹا جائے گا، داہنے ہاتھ پر کوئی اعرابی ہو تو مشروب اسے پیش کیا جائے گا، ابو بکر (رض) کو نہیں۔

مفتی رضوان اعظمی

(6) جس ضابطے پر رابطے کو ترجیح دینے کی بات کی گئی ہے وہ خود ساختہ ضابطے ہیں
شریعت کے اصول و ضوابط مراد نہیں ہیں
مثلاً
کوئی وقت اپنے آرام کے لیے تجویز کر رکھا ہے
اور ضابطہ یہ بنا رکھا ہے کہ اسوقت کسی سے نہیں ملیں گے
اب اسی آرام کے وقت کوئی اھل تعلق میں سے آگیا تو اب ضابطے پر رابطے کو ترجیح دینا چاہیے
نہ کہ خودساختہ اصول کی پابندی کے چکر میں تعلق کو گنوا دینا چاہیے

مولانا سلمان احمد گرینی

(7) شریعت کی روشنی پہ چلیں گے تو ضابطہ اور رابطہ دونوں باقی رہے گا۔
جب افراط و تفریط ہوگا تو رابطہ اور ضابطہ دونوں ٹوٹے گا۔

مولانا محمد خالد صاحب ڈکھا

(8) کوئی بھی کام خراب ہوتا ہے نااہلیت کی وجہ سے اور رابطہ نااہلوں کو اس جگہ بیٹھا دیتا ہے جس کے وہ اہل نہیں ہوتے۔

اذاوسد الامر الی غیر اھلہ فأنتظر الساعہ۔

مولانا صادق قاسمی خیرآبادی

(9) در اصل رابطے اور ضابطے میں عقل و فہم اور سمجھداری کا بہت دخل ہے جو اپنی ذمہ داریوں میں فکر مند مستعد اور مخلص ہوتے ہیں ان کیلئے رابطہ مفید ہوتاہے اور جو سست کاہل لاپرواہ اور غیر ذمہ دار ہوتے ہیں ان کیلئے ضابطے کا ڈنڈا ہی بہتر ہوتا ہے۔

مولانا حمیداللہ چودھری

تعصب اور تصلب

(10) تعصب تحزب پیدا کرتا ہے، جو مذموم ہے اور تصلب تمسک کو تقویت دیتا ہے، جو محمود ہے۔

مفتی رضوان اعظمی

(11) تعصب میں نفرت کا عنصر غالب رہتا ھے اور تصلب میں محبت کا ۔

مفتی فضل محمود فلاحی

(12) تعصب حق اور ناحق کا فرق مٹادیتا ہے اور تصلب حق پر جمادیتا ہے

مولانا صادق قاسمی خیر آبادی

پی ڈی ایف بنوانے

کے لئے رابطہ کریں

مسعود اعجازیؔ

اورنگ آبادیؔ مہاراشٹری

9309827381